www.mohaddis.com

315

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

اکتوبر ۲۰۰۷ء

۲ شرعاً ہسپتالوں پر زکوٰۃ لگتی ہے یا نہیں؟
۲۵ علم کا مصداق، احکام اور فضائل
۲۵ روزوں کے بعض اہم اور نادر مسائل

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی **مُدیر:** ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے **زرِ سالانہ:** ۲۰۰روپے **بیرون ملک:** ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔ **ایڈریس:** ماہنامہ محدث، ۹۹جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 35866476 / 042 - 3586639 **موبائل:** 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __ www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

- عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ محدث لاہور پاکستان

جلد ۳۹ رشمارہ ۱۰
شوال المعظم ۱۴۲۸ھ
اکتوبر ۲۰۰۷ء

مُدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمٰن مدنی

مُدیر حافظ حسن مدنی
0333-4213525

زر سالانہ ۲۰۰ر روپے
فی شمارہ ۲۰ر روپے

بیرونِ ممالک
زر سالانہ ۲۰ر ڈالر
فی شمارہ ۲ر ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ ــ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

☎: 5866476
5866396
5839404

Email: hhasan@wol.net.pk

Publisher:
Hafiz Abdul Rahman Madani

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

فہرست مضامین

فکر و نظر

کیا ہسپتال اور NGOs پر زکوٰۃ لگتی ہے؟ حافظ حسن مدنی ۲

احکام و مسائل

روزوں کے بعض اہم اور نادر مسائل شیخ محمد صالح المنجد ۲۵

تعلیم و تعلم

علم کا مصداق، احکام اور فضائل مترجم: عبدالقوی لقمان ۴۵

قانون و قضا

خواتین ایکٹ کے اغراض و مقاصد حافظ صلاح الدین یوسف ۵۹

عربی زبان

عربی زبان سکھانے کا بہتر اسلوب مولانا محمد بشیر ۷۵

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلّی اتفاق ضروری نہیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

شرعاً ہسپتالوں اور NGOs پر زکوٰۃ لگتی ہے یا نہیں؟

پاکستانی معاشرے میں جوں جوں دین سے تعلق کمزور پڑتا جارہا ہے، توں توں لوگوں کے رجحانات میں بعض غیر معمولی تبدیلیاں دیکھنے میں آرہی ہیں۔ ہم اپنے گردوپیش ایک نئی چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اندر ہی اندر اس کو عجیب سمجھتے ہوئے اجنبیت محسوس کرتے ہیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ یہ احساس بھی کمزور پڑتا چلا جاتا ہے اور یوں ایک نئی چیز معاشرے میں اپنے وجود کو مستحکم کرلیتی ہے۔ یہ جدت طرازی اگر تو انفرادی سطح پر ہو تو اس کو پھیلنے میں وقت لگتا ہے، لیکن اگر اسے میڈیا کے جدید ترین ذرائع کے ذریعے متعارف کرایا جائے تو پھر برسوں کیا، مہینوں میں یہ نئی چیز اپنی جگہ پیدا کرلیتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے کے ذمہ دار عناصر اس حوالے سے اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے معاشرے کی نبض پڑھ کر لوگوں کو درست سمت رہنمائی دیں تاکہ ہمارا معاشرہ ایسی کیفیت کا شکار نہ ہوجائے کہ جس کا جی چاہے، محض اِبلاغ کے بل بوتے پر عوام کو اپنے پیچھے لئے پھرے.....!!

ان دنوں رمضان المبارک اپنی برکتوں کے ساتھ اُمت ِاسلامیہ پر سایہ فگن ہے۔ چند سالوں سے رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی ایک نئے رجحان نے جنم لیا ہے جو جدید شہروں سے دیگر علاقوں کی طرف بڑی تیزی سے پھیلتا جارہا ہے۔ رمضان المبارک سے ہفتہ عشرہ پہلے لاہور، کراچی اور اسلام آباد جیسے شہروں کی شاہراہیں زکوٰۃ حاصل کرنے کی مہمات کا مرکز بن جاتی ہیں۔ اور مختلف خوبصورت نعروں، دیدہ زیب بینروں اور بورڈوں کے ذریعے کئی ایک گروہ مسلمانوں کی زکوٰۃ سمیٹنے کے لئے میدان میں اُتر آتے ہیں۔ ان میں زیادہ تعداد تو ہسپتالوں کی ہے جس کے ساتھ ساتھ اب تعلیم اور رفاہِ عامہ کے دیگر کاموں کے لئے بھی اشتہاری سرگرمیاں شروع ہوچکی ہیں۔ آج سے صرف چند برس پہلے دیکھیں تو زکوٰۃ کے حوالے سے اس رجحان اور سرگرمی کا کوئی وجود نہیں ملتا۔

ایک طرف اسلام کے ایک اہم ترین فریضے کے حوالے سے قوم میں پروان چڑھایا جانے

www.KitaboSunnat.com

والا یہ ایک نیا رجحان ہے، جو شاہراہوں سے بڑھ کر اب اخباروں، ویب سائٹوں اور متعدد ٹی وی چینلوں تک پھیلتا جارہا ہے۔ دوسری طرف سوے اتفاق سے یہی وہ سال ہیں جن میں اسلام کی خدمت کرنے والے اداروں پر عالمی طاقتوں کی آشیر باد سے عرصۂ حیات تنگ کرنے کی جنونی مہم بھی شروع کی گئی ہے۔ عالم اسلام میں دین کے حوالے سے عظیم خدمات انجام دینے والے اداروں کو نہ صرف بلیک لسٹ/'بین' کردیا گیا بلکہ بینکوں میں ان کے اثاثے بھی منجمد کردیئے گئے۔ ان کے معاونین کو طرح طرح سے دھمکایا گیا اور ان کے حسابات کی جانچ پڑتال کے نام پر اُن میں دخل اندازی کو پروان چڑھایا گیا۔ بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ دینی اداروں کی سرگرمیوں کو محدود کرکے اور اُنہیں ڈرا دھمکا کر عوام کے جذبۂ خیر وانفاق کا رخ محض انسانی مصالح کی طرف موڑا جارہا ہے۔ اس کوشش میں حکومت کے ساتھ ساتھ وہ ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی شامل ہیں جو سیکولر اداروں کے لئے بھاری بھرکم اشتہاری مہم کو سپانسر کرتی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ وہی ملٹی نیشنل کمپنیاں ہیں جو معاشرے میں فسق وفجور اور اِلحاد واباحیت کو پروان چڑھانے والے میلوں اور تہواروں کو بھی ہائی جیک کرکے مسلم عوام کی اپنی مخصوص ذہنیت کے مطابق رجحان سازی کا مکروہ کردار ادا کرنے میں پیش پیش رہتی ہیں۔

قابل توجہ امر ہے کہ آخری ایک دوسالوں سے یہ رجحان زکوٰۃ سے بڑھ کر دیگر صدقات تک بھی وسیع ہوتا جارہا ہے جیسا کہ گذشتہ برس عید الاضحیٰ کے موقع پر سندھ میں قربانی کی کھالوں کو جمع کرنے والے لوگوں میں ایم کیو ایم کافی متحرک نظر آئی۔ جو جماعت اپنے پھیلائے ہوئے خوف ودہشت کی بنا پر لوگوں سے بھتے لینے میں مشہور ہو، اگر وہ لوگوں سے قربانی کی کھالیں بھی جمع کرنا شروع کردے تو کسی کو کیا مجالِ انکار ہے! اس پر طرہ یہ کہ بعض مقامات پر پیپلز پارٹی نے بھی قربانی کی کھالوں کو جمع کرنے میں دلچسپی دکھائی.....!

ہماری نظر میں اس سارے عمل کے پیچھے بنیادی مسئلہ لوگوں کی دین سے وابستگی میں کمی، تصورِ دین میں تبدیلی، بے عملی اور اسلامی اَحکامات سے لاعلمی ہے۔ اوّل تو عام لوگوں کو زکوٰۃ دینے کی توفیق ہی خال خال ہوتی ہے، اس کے بعد جو لوگ کسی وعظ وتلقین کی بنا پر زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہوجاتے ہیں تو اُنہیں یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ اسلام کی رو سے اس کے مصارف کیا ہیں؟ یہ بات باعمل مسلمانوں کے لئے بھی ایک اچھنبے کی حیثیت رکھتی ہے کہ اسلام کی رو سے زکوٰۃ کے مصارف میں 'مریض' یا 'تعلیم' سرے سے شامل ہی نہیں ہے۔ غالباً ایم کیوایم یا پیپلز پارٹی

www.KitaboSunnat.com

ایسی سیکولر جماعتوں کو صدقہ، زکوٰۃ حاصل کرنے میں اس بنا پر کامیابی حاصل ہوجاتی ہے کہ لوگ زکوٰۃ کو کسی بھی کارِ خیر بلکہ عوامی کام کا مناسب مصرف سمجھتے ہیں، جبکہ اسلام کا تصورِ صدقہ وخیرات ایک غیر مسلم کے 'ڈونیشن' کے تصور سے کافی مختلف ہے۔

زیرِ نظر تحریر میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ زکوٰۃ وصدقات کے حوالے سے اسلامی مصارف کو کتاب وسنت سے پیش کیا جائے تاکہ جو لوگ اللہ کو راضی کرنے اور اپنا شرعی فرض ادا کرنے کے لئے اپنے مال کو خرچ کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں، وہ محض لاعلمی کی بنا پر اس کو درست جگہ پر صرف نہ کرکے اپنے فریضے کی ادائیگی سے محروم نہ رہ جائیں۔

اسلام نے نماز کی طرح ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے، اور یہ فریضہ نہ صرف اسلام کے بنیادی پانچ ارکان سے ہے بلکہ ہمیشہ سے اللہ کے فرستادہ پیغمبروں کے ذریعے جاری وساری رہا ہے۔ اسلامی تقاضوں کے مطابق اس کی ادائیگی کے بہت فضائل اور اس کو نظر انداز کرنے والوں کے بارے میں بڑی سنگین وعیدیں زبانِ رسالتؐ سے ادا ہوئی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف کلمۂ طیبہ کے اقرار کے باوجود کبار صحابہؓ کی معیت میں جنگ جیسا سنگین اقدام کیا۔ مسلمان رمضان المبارک میں زکوٰۃ اس لئے ادا کرتے ہیں کہ زکوٰۃ کے لئے ضرورت سے زائد مال پر ایک سال گزرنا ضروری ہے، چنانچہ آسانی اور حصولِ برکت کے لئے رمضان کے مہینے میں اس فریضے کا پورا کیا جانا مسلم معاشروں کی روایت بن چکا ہے۔ رمضان المبارک میں ثواب کا کئی گنا بڑھ جانا بھی اس مہینے میں ادائیگی زکوٰۃ کا ایک سبب ٹھہرتا ہے۔

اگر زکوٰۃ کے نصاب اور اَحکام پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے کے نصف سے زائد لوگ زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل ہیں، لیکن دینی احکامات سے لاعلمی، مادیت پرستی اور بے عملی کے باعث ۵ فیصد سے بھی کم لوگ بہ مشکل زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان میں بھی اسلامی احکامات کی مکمل پاسداری کرنے اور پوری طرح زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی تعداد بلامبالغہ ایک فیصد سے بھی کم ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں اس حوالے سے بعض حیلوں اور شبہات کا تذکرہ بھی کیا جارہا ہے جن کا متدین مسلمان بھی شکار ہوجاتے ہیں۔ اگر کسی مسلم معاشرے میں زکوٰۃ کو صحیح طور سے ادا کیا جائے تو اس معاشرے سے غربت اور محتاجی کا یقینی خاتمہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ ماضی میں اس کا تجربہ کئی بار ہوچکا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

فریضۂ زکوٰۃ کی اس قدر اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو قرآنِ کریم میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ زکوٰۃ محض ایک صدقہ نہیں ہے جس کو ہر خیر کے کام پر صرف کیا جاسکے بلکہ اس کے مصارف میں متعینہ افراد اور محدود مدات ہی شامل ہیں۔ اگر ان مصارف کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو فریضۂ زکوٰۃ سے عہدہ برآ نہیں ہوا جاسکتا۔ ان مصارف کی تفصیل فقہ کی کتب میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے، سردست جو سوال پاکستانی معاشرے میں درپیش ہے، اس حوالے سے ایک مختصر جائزہ پیش خدمت ہے .....

وطنِ عزیز میں زکوٰۃ کے حوالے سے اس نئے رجحان کا آغاز عمران خاں کے شوکت خانم ہسپتال سے ہوا اور اُنہوں نے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے تعاون سے صدقات وزکوٰۃ وصول کرنے کے کام کو پیشہ وارانہ بنیادوں پر ترقی دی۔ عمران خان کا قومی کردار تو قابل قدر ہے، البتہ ذاتی طور پر سیتاوائٹ سکینڈل اور ایک یہودی خاندان کی لڑکی سے ان کی شادی اور پھر جدائی نے ان کے اپنے کردار اور شخصی ترجیحات پر بہت سے سوالیہ نشان چھوڑے ہیں۔

اس کے بعد، اُن کی دیکھا دیکھی ایک بدنام گلوکار ابرار الحق نے 'سہارا ٹرسٹ' کے نام سے نارووال میں ایک ہسپتال قائم کرکے زکوٰۃ جمع کرنے کا کام شروع کیا۔ اُن کے گانے لچر پن اور بیہودگی میں اپنی مثال آپ ہیں جو اسی خاصیت کی بنا پر نہ صرف کئی گلی محلوں میں جھگڑوں کا باعث بن چکے ہیں بلکہ عدالتوں نے بھی اُنہیں عورت کی توہین پر مبنی قرار دیا ہے۔ اُنہوں نے اسلام کے تصورِ صدقہ وزکوٰۃ کو مجروح کرنے سے بڑھ کر اُس سے سنگین مذاق کا ارتکاب کیا ہے۔ مثلاً ان کا نعرہ ہے کہ ''قربانی اللہ کے لئے، تفریح آپ کے لئے۔'' کھال کی رسید دکھا کر ابرار الحق کا شو مفت دیکھیں۔ یہ آفر اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے مترادف ہے!

اسی طرح فلمی اداکارہ اور رقاصہ میرا کی 'شفقت' نامی این جی او ہے، جن کا کہنا ہے کہ ''پاکستان میں ڈانس کلب ہونا بہت ضروری ہیں، کیونکہ لوگ ڈیپریشن کا شکار ہیں اور ان کے لئے تفریح بہت ضروری ہے۔''

گلوکار اور ڈانسر جواد احمد کی تنظیم 'ایجوکیشن فار آل' اور شہزاد رائے کی 'شیلٹر' نامی این جی او ہے۔ یہ لوگ بدنام پاپ سنگر ہیں جو گاتے ہوئے پورے ہال میں موجود لڑکے اور لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے کر ناچنے اور گانے پر مجبور کرتے ہیں۔

اِنہی لوگوں کی دیکھا دیکھی بے شمار شہری ہسپتال بھی اس میدان میں کود پڑے ہیں۔ بعض

www.KitaboSunnat.com

تعلیم کے نام پر مثلاً 'ریڈ فاؤنڈیشن' بعض ٹی وی میزبان مثلاً عامر لیاقت حسین کی طرح اپنی والدہ محمودہ سلطانہ فاؤنڈیشن کے نام پر رفاہی خدمات کے لئے ادارے بنائے بیٹھے ہیں اور اس کے لئے میڈیا کے تمام ذرائع بے دریغ استعمال کر رہے ہیں۔ اسی نوعیت کے اداروں میں 'فاطمید' اور 'سندس فاؤنڈیشن' وغیرہ جیسے بیسیوں ادارے ہیں جو زکوٰۃ حاصل کرنے کی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ آیئے ان ہسپتالوں اور اداروں کے بارے میں اسلام سے رہنمائی لیتے ہیں کہ کیا ان پر زکوٰۃ کو صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

قرآنِ کریم میں سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۶۰ مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾

''بلاشبہ صدقات تو فقرا اور مساکین کے لئے ہیں، اور ان کے لئے جو زکوٰۃ جمع کرنے کے کام پر مامور ہو، جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کو چھڑانے اور مقروض کی مدد کرنے اور فی سبیل اللہ میں، اور مسافروں کے لئے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے عائد کیا ہوا فریضہ ہے۔''

اس آیت میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں جن میں ۱ تا ۴ اور آٹھواں مصرف زکوٰۃ کے ایسے مصارف ہیں جن میں زکوٰۃ افراد کو دی جاتی ہے۔ یعنی فقیر، مسکین، زکوٰۃ جمع کرنے والے، جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو اور مسافر..... ان متعین افراد کو قرآن کریم نے لِـ کے ذریعے بیان کیا ہے جس کا لفظی ترجمہ 'ان کے واسطے' ہے۔ ('فقہ الزکوٰۃ' مترجم: ۱۳۰/۲)

جبکہ ۵ تا ۷، تین مصارف وہ ہیں جو افراد کی بجائے مدات ہیں۔ ان کو قرآن نے لِـ کی بجائے فِي سے ذکر کیا ہے۔ یعنی گردن آزاد کرنے میں، چٹی پڑنے میں اور فی سبیل اللہ میں۔

یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ غلام کو نہیں دی جاتی بلکہ اس کے مالک کو ادا کی جاتی ہے، ایسے ہی مقروض کو مال ادا کرنے کے بجائے زکوٰۃ کا مال درحقیقت قرض دینے والے کو ملتا ہے۔ یہی صورتِ حال فی سبیل اللہ کے بارے میں بھی ہے۔

ان آٹھ مصارف میں شامل افراد یہ ہیں: ① فقیر سے مراد تو ایسا مسلمان ہے جس کے پاس اپنی حاجت وضرورت کا نصف بھی موجود نہ ہو..... ② اور جس کے پاس کچھ مال تو موجود ہو لیکن اس کی ضروری حاجت پوری نہ ہوتی ہو تو وہ مسکین ہے..... ③ تیسرا مصرف وہ افراد جو زکوٰۃ کو جمع کرنے والے ہیں، یعنی وصول کرنے والا، حساب لکھنے اور حفاظت وغیرہ کرنے

www.KitaboSunnat.com

والا..... ④ تالیفِ قلب سے مراد کنبہ رقبیلہ کا ایسا بڑا شخص ہے جس کی بات سنی جاتی ہو، اس تعاون سے اس کے شروضرر میں کمی کا امکان ہو، یا اس صدقہ کے ذریعہ عملاً اس کے اسلام لانے کا قوی امکان ہو..... ⑤ گردن آزاد کرنے سے مراد کسی غلام کو آزادی دلانے میں مالی ادائیگی سے مدد کرنا، یا مسلمان قیدیوں کو کفار سے آزاد کرانا وغیرہ..... ⑥ غَارم سے مراد ایسا مقروض شخص ہے جس نے اجتماعی یا ذاتی مفاد کے لئے قرضہ لیا لیکن تنگ دستی کی بنا پر وہ اسے ادا کرنے پر قادر نہیں رہا۔ آخری دو مصارف ⑦ فی سبیل اللہ اور ⑧ مسافر ہیں۔

◉ قرآنِ کریم نے صدقات کی تقسیم کی جو ترتیب بیان کی ہے، ان کی تقسیم میں بھی یہی ترتیب پیش نظر رکھنی چاہئے یعنی پہلے فقرا، پھر مساکین، پھر اس پر کام کرنیوالے وغیرہ، آخر تک

◉ جو بات یہاں خصوصیت سے قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کو صرف انہی مصارف پر خرچ کیا جاسکتا ہے، جن کا تذکرہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مصارفِ زکوٰۃ کی آیت کے شروع میں موجود لفظ إِنَّمَا سے ..... جو کلمہ حصر ہے..... یہی معلوم ہوتا ہے۔ دورِ نبویؐ کا ایک واقعہ اس سلسلے میں واضح دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس زیاد بن حارث صدائی نامی ایک صحابی نے آکر زکوٰۃ میں سے کچھ دینے کا مطالبہ کیا تو آپؐ نے فرمایا:

«إن الله لم يرضَ بحكم نبي ولا غيره في الصدقات حتى حَكَمَ هُو فيها فجَزَّأها ثمانية أجزاء فإن كنتَ من تلك الأجزاء أَعطيتُك»(سنن ابوداود: ۱۶۳۰)

''اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو کسی نبی وغیرہ کے رجحان (حکم) پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کی تفصیل بذاتِ خود نازل فرمائی۔ چنانچہ اس کو ۸ مصارف میں بانٹ دیا۔ اگر تو اِن ۸ مصارف میں سے کسی ایک میں ہے تو پھر میں تجھے بھی دے دیتا ہوں (ورنہ نہیں)۔''

اس فرمانِ نبویؐ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف کے سلسلے میں کوئی اُمتی تو کجا، سید المرسلین ﷺ بھی تصرف کرنے کے مجاز نہیں۔ چنانچہ زکوٰۃ صرف انہی مصارف میں خرچ کی جاسکتی ہے جن کا تذکرہ اس آیت میں بیان ہوا ہے، اس کے ماسوا نہیں۔

◉ اگر کوئی شخص لاعلمی میں کسی ایسے شخص کو زکوٰۃ دے دے جو اس کا حقیقی مصرف نہیں ہے تو متعدد علما کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسے شخص کو چاہئے کہ نفع سمیت وہ مالِ زکوٰۃ اس شخص سے واپس لے کیونکہ ایسی صورت میں اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اسے دوبارہ ادا کرنا ہوگی، البتہ فقیر شخص کے سلسلے میں غلطی کھانے پر دوبارہ ادا نہ کرنے کی گنجائش ہے۔ (السیل الجرار: ۸۱۶/۱)

www.KitaboSunnat.com

آیئے؛ مذکورہ بالا بنیادی تصور کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے پیش نظر مسئلہ کا جائزہ لیں۔ اسلام کی رو سے مذکورہ بالا ادارے اور اس نوعیت کی دیگر این جی اوز زکوٰۃ حاصل کرنے کی مجاز نہیں ہیں جس کی وجوہات اور شرعی ممانعات حسبِ ذیل ہیں:

غیر مسلم پر زکوٰۃ نہیں لگتی!

① اسلام کی رو سے زکوٰۃ صرف مسلمان پر ہی صرف کی جاسکتی ہے، غیر مسلم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ جیسا کہ مشہور ارشادِ نبویؐ ہے، جو آپؐ نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا:

«أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وتردُّ على فقرائهم» (صحیح بخاری: ۱۳۰۸) ''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے مالوں میں صدقہ (زکوٰۃ) فرض کیا ہے جو ان کے اُمرا سے لے کر اُن کے فقرا پر صرف کیا جائے گا۔''

چنانچہ ایسا غیر مسلم جس کی مال زکوٰۃ سے تالیفِ قلب کر کے اس کے اسلام لے آنے کی قوی اُمید نہ ہو تو ایسے کافر کو زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں ہر کافر اور اس کافر میں فرق کرنا ضروری ہے جس کے مسلمان ہونے کی توقع ہو۔ (المغنی: ۶/۴۲۷ تا ۴۲۹، حاشیہ دسوقی: ۱/۴۹۵)

علامہ ابن منذرؒ نے اس بات پر مسلم علما کا اجماع ذکر کیا ہے کہ

أجمعوا على أن الذمي لا يُعطٰى من الزكوة ..... ولا يُعطى الكافر والمملوك ولا نعلم فيه خلافًا (المُغني: ۲/۵۱۷)

''اس امر پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے کہ ذِمی (ایسا غیر مسلم جو مسلمانوں کے علاقہ میں رہتا ہو) کو زکوٰۃ نہیں دی جائے گی ..... کافر چاہے غلام ہو یا آزاد، اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اس مسئلہ میں جملہ مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔''

معلوم ہوا کہ کافر پر زکوٰۃ کا مال صرف کرنا درست نہیں۔ جبکہ ہمارے پیش نظر سرکاری و پرائیویٹ ہسپتال اور دیگر رفاہی این جی اوز میں اس حوالے سے کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا کہ وہاں مالِ زکوٰۃ سے غیر مسلم فائدہ اُٹھا رہا ہے یا صرف مسلمان۔ البتہ زکوٰۃ کے برعکس نفلی صدقات بعض صورتوں میں غیر مسلم کو بھی دیے جاسکتے ہیں۔

'مریض شخص' زکوٰۃ کے مصارف میں شامل نہیں!

② اوپر قرآنِ کریم سے مصارفِ زکوٰۃ کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کا مطالعہ توجہ سے کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مصارف میں مریض شخص شامل نہیں۔ ہمارے ہاں عام طور پر

www.KitaboSunnat.com

مریض کو بھی زکوٰۃ کا مستحق سمجھا جاتا ہے، جبکہ مرض کی بنا پر زکوٰۃ کا کوئی استحقاق نہیں۔ چنانچہ ایسا مریض شخص جو صاحبِ استطاعت ہو، اس پر زکوٰۃ کو صرف کرنا جائز نہیں اور اس امر پر تمام علما میں اتفاق ہے۔ (کویتی فقہی انسائیکلو پیڈیا: ۲۳/۳۱۳) جس کی بنیاد نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«لا حَظَّ فيها لِغَنِيٍّ ولا لِقَوِيٍّ مُكتسِبٍ» (سنن ابوداود: ۱۳۹۱ صحیح)

''زکوٰۃ میں مال دار شخص کا کوئی حق نہیں، نہ ہی کسی قوی، کمانے کی صلاحیت والے کے لئے۔''

مذکورہ بالا ہسپتالوں میں زکوٰۃ کو غریب لوگوں کے علاج تک محدود رکھنے کی بجائے اس سے کئے جانے والے مفت یا بارعایت علاج سے زیادہ تر وہی لوگ فائدہ اُٹھانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جو خود با اثر یا قوی روابط کے حامل ہوں۔ چونکہ یہاں زکوٰۃ امیر وغریب کے امتیاز کے بغیر ہر مریض پر صرف کی جاتی ہے، اس بنا پر بھی ان اداروں میں زکوٰۃ جمع کرانا درست نہیں ہے۔

زکوٰۃ سے ہسپتالوں کی عمارت یا مشینری نہیں خریدی جاسکتی!

③ زکوٰۃ کا اوّلین مستحق فقیر یا مسکین شخص ہے کیونکہ یہ بنیادی طور پر مالی عدمِ توازن اور غربت کا ایک مؤثر علاج ہے۔ ایسے ہسپتال جو صرف فقرا کے علاج ومعالجے کے لئے ہی مخصوص ہوں یا ان میں زکوٰۃ کو صرف فقراء ومساکین کے لئے مخصوص رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہو، وہاں بھی زکوٰۃ کو ادا کرنے میں بعض احتیاطوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ زکوٰۃ کا مصرف کسی غریب کا براہِ راست مفاد ہی ہونا چاہئے، بالواسطہ مفادات سے بچنا چاہئے جیسا کہ آغاز میں ہم ذکر کرآئے ہیں کہ ۸ میں پانچ مصارف اَفراد کے لئے مخصوص ہیں اور غریب ومسکین شخص ان میں سرفہرست ہے۔ چنانچہ بعض ہسپتالوں میں زکوٰۃ کی رقم سے مہنگی مشینری خریدی جاتی یا اسے عملے کی تنخواہوں، تعمیر اور دیگر مدات میں صرف کیا جاتا ہے تو یہ بھی زکوٰۃ کے مصارف میں شامل نہیں ہے۔ بلکہ اس مشینری یا عمارت اور انتظام وانصرام سے امیر وغریب یکساں طور پر، اور اکثر اوقات اُمرا ترجیحی طور پر فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لئے ہسپتالوں اور این جی اوز کو زکوٰۃ دیتے ہوئے شریعت کے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

زکوٰۃ کے سلسلے میں حنفی فقہا نے تملیک یعنی 'فقیر یا مسکین وغیرہ کو بلاعوض مال کا مالک بنا دینا' کو بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ یہ شرط احناف کے ہاں بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس کی بنا پر مالِ زکوٰۃ کو ہسپتالوں اور مشینری میں لگانے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، ردّ المحتار میں ہے:

www.KitaboSunnat.com

''حنفی فقہا کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کو شخصی ملکیت بنانا ضروری ہے اور زکوٰۃ کو کسی بھی ایسے کام میں صرف کرنا درست نہیں ہے جس میں تملیک نہ ہو۔'' (ج۲ص۸۵)

زکوٰۃ کی رقم مارکیٹنگ اور تعیّشات ونمائش پر صرف نہیں کی جاسکتی

④ چند سالوں سے جن ہسپتالوں نے زکوٰۃ جمع کرنے کے کام کو پیشہ وارانہ بنیادوں پر شروع کیا ہے، ان کے ہاں زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے بھاری اخراجات پر مشتمل مارکیٹنگ مہم شروع کی جاتی ہے۔ ان کی کامیابی کا سارا انحصار زیادہ سے زیادہ اور ہمہ جہتی ایڈورٹائزنگ پر ہوتا ہے۔ ایسے ہی ان اداروں کے 'زکوٰۃ وصدقات سیکشن' کے عملے کے بھاری اخراجات اور لاکھوں روپے کی تنخواہیں ہوتی ہیں۔ جبکہ اسلام میں نہ تو تنخواہوں کے نام پر مالِ زکوٰۃ پر اس تعیش کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی کسی مارکیٹنگ مہم کی کوئی ضرورت۔ مارکیٹنگ کے ان غیر معمولی اخراجات کو مالِ زکوٰۃ کی مد سے صرف کرنا شریعت کے منشا سے تجاوز ہے۔ انسانی صحت کے ان اداروں کا یہ لادین کلچر روحانی ومذہبی صدقات کے موزوں استعمال کے لئے نامناسب ہے۔

یہ جدید پرائیویٹ ہسپتال جس طرح اشتہاری مہم چلاتے ہیں، اور اس سلسلے میں میڈیا کے ہر ذریعے کو استعمال کرتے ہیں، اس پر اُٹھنے والے اخراجات کا اندازہ کسی ایسے ادارے کے مارکیٹنگ بجٹ کو دیکھ کر بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ مالِ زکوٰۃ کے ذریعے پرآسائش سہولیات اور لمبی تنخواہیں لینے کا بھی کوئی جواز نہیں بلکہ زکوٰۃ کا یہ مال نمود ونمائش اور اسراف وآسائش کی بجائے سادگی اور متانت سے شریعت کے متعین کردہ مصارف میں ہی خرچ ہونا چاہئے۔

ممکن ہے بعض لوگ اس رویے کو 'عاملین علیہا' کا مصداق قرار دے کر اس کا جواز پیدا کریں لیکن عامل کے بارے میں یہ فرمانِ نبویؐ یاد رہنا چاہئے جس کا مفہوم مختصراً یہ ہے کہ

''جس عامل نے بنیادی ضروریات سے بڑھ کر اُجرت حاصل کی، وہ خائن یا چور ہے۔''

(سنن ابوداؤد: ۲۹۵۵ 'صحیح'، مسند احمد: ۱۷۳۲۹، مزید تفصیل: 'زکوٰۃ کی کتاب': ص۲۰۳، ۲۰۴)

جدید ہسپتالوں کا ذریعۂ آمدنی اسلام سے متصادم ہے

⑤ اس وقت جس نوعیت کے ادارے زکوٰۃ جمع کرنے کی مہم میں زیادہ سرگرم ہیں، نہ تو ان کے ہاں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ شریعت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے زکوٰۃ کو شرعی مصالح

www.KitaboSunnat.com

کے پیش نظر ہی صرف کریں گے۔ جہاں تک ان کے ذمہ داران کا تعلق ہے تو وہ معاشرے میں متانت اور دینداری کی عام سطح سے بھی نیچے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابرار الحق کے 'سہارا ٹرسٹ' کو زکوٰۃ ادا کرنا گویا اس کے برے کام میں مدد اور اس کو اخلاقی تائید فراہم کرنا ہے۔ عمران خاں اور ابرار الحق کے ہسپتالوں کی ڈونیشن جمع کرنے کی مہم میں بدنام فاحشہ اور رقاصہ عورتیں اور فلم انڈسٹری کے فاسق مرد شرکت کرکے لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں۔ یہ ہسپتال چندہ جمع کرنے کے لئے ہالی وڈ اور انڈین اداکاروں کی سرپرستی حاصل کرتے ہیں۔ ان میوزیکل پروگراموں کا ایک نقشہ اور شرکت و سرپرستی کرنے والے افراد کا تعارف ان اداروں کی ویب سائٹس پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ دیکھئے

www.saharaforlife.org; www.shaukatkhanum.org.pk

ایسے لوگ زکوٰۃ وصدقات کے تصور کو بگاڑ کر اس کو موج مستی کلچر سے خلط ملط کرکے شرعی تصورات کا استحصال کررہے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ ان کھلاڑیوں، اداکاروں اور کلوگاروں کے انسانی خدمت کے منصوبوں میں تعاون گویا ان کے برے پیشے میں تعاون کی ہی ایک صورت ہے۔ اور اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ایسے اداروں سے تعاون میں کم از کم فحاشی و بے حیائی اور اسلامی اقدار کو بے توقیر کرنے میں مدد ضرور ملتی ہے اور اگر ان کے منصوبے نیک بھی ہوں تو ان کے یہ ذرائع جو اُن کے تعارف کا وسیلہ بنے ہیں، ضرور ناجائز ہیں۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے اداروں سے صدقات وزکوٰۃ کے ذریعے تعاون کرنے کا مقصد اگر نیک بھی ہے تو ان کا ذریعہ ضرور ناجائز ہے جس سے وہ نیکی بھی متاثر ہوکر رہے گی۔

زکوٰۃ میں باعمل مسلمان کو فاسق وفاجر پر ترجیح دینا شریعت کا منشا ہے

⑥ نبی کریم ﷺ کے مقدس فرامین کی بنیاد پر فروغ پانے والے ان صدقات کا فائدہ بھی انہی لوگوں کو ملنا چاہئے جو نبی کریم ﷺ کے دیگر فرامین پر بہتر طور پر عمل پیرا ہیں۔ صدقات وزکوٰۃ کا مال کسی فاسق مسلمان پر صرف کرنے کی بجائے کہیں بہتر ہے کہ اس کو ایسے دین دار مسلمانوں پر صرف کیا جائے جو اس کے شرعاً مستحق ہوں۔ بالخصوص اس وقت جب ایک باعمل مسلمان اور ایک فاسق مسلمان دونوں فقیر اور مسکین موجود ہوں تو الحب لله و البغض في الله کا تقاضا یہ ہے کہ دین دار مسلمان کو مالی تعاون میں ترجیح دی جائے۔

مسائل زکوٰۃ پر مایہ ناز کتاب فقه الزکوٰۃ کے مؤلف ڈاکٹر علامہ یوسف قرضاوی نے

www.KitaboSunnat.com

بھی یہی موقف اختیار کیا ہے، لکھتے ہیں:

''جو شخص اپنے فسق وفجور کو ظاہر کرنے والا ہو، اباحیت پر قائم رہنے والا ہو، اسے اس وقت زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں جب تک وہ سرکشی نہ چھوڑ دے اور توبہ کا اعلان نہ کرے۔'' (۲/۷۰۹)

علامہ ابن تیمیہؒ سے بدعتی اور بے نماز شخص کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا:

''ایسے مستحق فقیر، مسکین اور مقروض کو زکوٰۃ دینی چاہئے جو دین دار اور پابندِ شرع ہو۔ بدعات اور فسق وفجور کو ظاہر کرنے والا تو سزا کا مستحق ہے، اس سے تعاون کرنے کی بجائے اس سے قطع تعلقی کرنا اور اس کو توبہ کی طرف راغب کرنا چاہئے۔ اسی طرح بے نماز شخص سے نماز پڑھنے کا وعدہ لیا جائے، اگر وہ نماز کی پابندی کا وعدہ کرے تو اسے زکوٰۃ دی جائے، ورنہ نہیں۔ جب تک بے نماز شخص توبہ نہیں کرتا، اسے زکوٰۃ سے کچھ نہیں دیا جائے گا۔''

(فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۵/۸۷، الاختیارات الفقهية: ص۶۱)

سعودی عرب کی دائمی فتویٰ کونسل کے مطابق بھی جو ضرورت مند شخص نماز نہیں پڑھتا، اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ (فتاوٰی اللجنة الدائمة: ۱۰/۳۱)

شیخ محمد بن صالح بن عثیمینؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ فاسق ونافرمان کے بالمقابل باعمل مسلمان کو زکوٰۃ دینا کہیں زیادہ افضل ہے۔ (مجموع فتاوی شیخ ابن عثیمین: ۱۸/۴۳۳)

اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا ایک مستند فرمان بھی پیش کیا جاتا ہے:

«لا تصحب إلا مؤمنا ولا يأكل طعامك إلا تقي» (مسند احمد: ۳/۳۸)

''تجھے مؤمن کی صحبت ہی اختیار کرنا چاہئے اور تیرا کھانا (مال) کوئی متقی شخص ہی کھائے۔''

مذکورہ بالا ہسپتالوں میں یہ سوال ہی خارج از بحث ہے کہ وہاں باعمل مسلمانوں کو کوئی ترجیح دی جائے کیونکہ ان کو چلانے والے بھی اِلا ماشاء اللہ دینی احکام اور اقدار سے کافی دور ہیں۔ قرآنِ کریم تو مسلمانوں کو یہ کہتا ہے:

﴿ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ﴾ (السجدة: ۱۸)

''کیا ایمان دار شخص اور فاسق وفاجر دونوں ایک جیسے ہیں، یہ برابر نہیں ہوسکتے۔''

اس کے بالمقابل ماضی میں جن دینی اداروں کو زکوٰۃ دی جاتی رہی ہے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ عملاً شریعت پر عمل پیرا ہونے میں باقی معاشرے سے کافی ممتاز ہیں۔ کیونکہ یہی وہ دینی ادارے ہیں جہاں فلم وموسیقی سے احتراز کیا جاتا ہے، معاشرے میں اسلامی شعائر مثلاً داڑھی اور پردہ وغیرہ پر دینی مدارس اور تنظیموں سے وابستہ لوگ ہی سب سے زیادہ کاربند ہیں

www.KitaboSunnat.com

اور یہاں قرآن وسنت کو پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے جن کے بارے میں فرامین نبویؐ ہیں:

''تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جو قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔'' (صحیح بخاری:۵۰۲۷)

''اللہ جس سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔'' (صحیح بخاری:۷۱)

''قرآن کے حامل میری اُمت کے سب سے بلند مرتبت افراد ہیں۔'' (المعجم الکبیر:۱۲۶۶۲)

سیکولر حکومتیں اپنے دینی فرائض سے غافل ہیں

⑤ فی زمانہ دینی اداروں کو زکوٰۃ دینے کی ضرورت اس لئے بھی زیادہ ہے کیونکہ مسلم حکومتیں دینی تعلیم اور اپنے دینی فرائض سے نہ صرف غافل ہیں بلکہ اس اجتماعی فرض کو ادا کرنے والے دینی اداروں اور تنظیموں کو بہانے بہانے سے پریشان کرکے ڈرایا دھمکایا جاتا ہے۔

جسمانی صحت کے لئے نہ صرف سرکاری سطح پر کئی ایک ہسپتال کام کررہے ہیں بلکہ پرائیویٹ طبی مراکز بھی.....جن میں بعض فلاحی مقاصد کے لئے ہیں..... ہر شہر میں سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ دوسری طرف روحانی صحت کے منابع سے حکومت اور عوام آہستہ آہستہ لاتعلق ہوتے جارہے ہیں۔ مزید برآں مصارفِ زکوٰۃ میں ایک توازن ہونا بھی ضروری ہے، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ تمام زکوٰۃ ایک ہی مصرف میں صرف ہوکر دیگر مصارف بالکل تہی دامن رہ جائیں۔

موجودہ دور میں مسلم حکومتیں دراصل ریاست کے سیکولر تصور پر کاربند ہیں جس میں دین کے حوالے سے کسی بھی سرگرمی کو ریاستی ذمہ داری سے نکال کر فرد کا ذاتی مسئلہ قرار دے دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نام نہاد مسلم حکومتیں بھی صحت اور تعلیم کو تو اپنی ذمہ داری سمجھتی ہیں اور اس میدان میں عوام الناس کو تشویق وترغیب دیتی ہیں، جبکہ دین کے کسی بھی کام مثلاً اشاعت وتبلیغ یا تعلیم دین کو ریاست اپنا فرض ہی تصور نہیں کرتی۔ ان الحاد پرور حالات میں مسلم عوام کو اپنی دینی ذمہ داری زیادہ توجہ اور یک سوئی سے ادا کرنی چاہئے۔

کیونکہ قرآنِ کریم کی رو سے فلاحی اور دینی سرگرمیوں کی حیثیت بھی برابر نہیں ہے بلکہ قرآن میں رفاہی کاموں کے بالمقابل دینی اُمور کو ایک نمایاں ترجیح دی گئی ہے:

﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۱۹)

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کی دیکھ بھال کو اس شخص کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لاتا ہو اور اعلاے کلمہ اللہ کے لئے جہاد کرتا ہو۔ اللہ کے ہاں یہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں کام برابر نہیں ہوسکتے۔''

اس آیتِ کریمہ میں بیت اللہ اور حاجیوں سے متعلقہ فلاحی کاموں کا اللہ پر ایمان لانے اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے محنت کرنے والوں سے ایک تقابل پیش کیا گیا ہے اور اللہ نے ایسے فلاحی کام کو بھی خالص نیکی کے کام کے مساوی قرار نہیں دیا چہ جائیکہ عام رفاہی اور فلاحی کاموں کو خالص دینی کاموں پر ترجیح دی جائے۔ بلکہ زکوٰۃ کے صحیح حقدار وہ ادارے ہیں جو زکوٰۃ کا مال اس کے اصل مستحقین تک پہنچاتے ہیں یا وہ ادارے جو دینی تبلیغ وتعلیم کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہیں جس سے سیکولر حکومتیں بالکل تہی دامن ہیں۔

الغرض مصارفِ زکوٰۃ کے بارے میں اس کوتاہی کا ہمیں خود بھی اِدراک کرتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی بتانا چاہئے کہ فی زمانہ گلوکاروں کے یہ ہسپتال اور رفاہی ادارے زکوٰۃ کا صحیح مصرف نہیں ہیں کیونکہ

- ان میں غیر مسلم اور بے نماز وفاسق لوگوں پر مالِ زکوٰۃ صرف کیا جاتا ہے۔
- یہاں زکوٰۃ کو غریب کی بجائے امیر وغریب کے مشترکہ مصالح مثلاً عمارت ومشینری پر بلادریغ خرچ کیا جاتا ہے۔
- اس مالِ زکوٰۃ کو اشتہاری مہمات اور لمبے چوڑے انتظامی اخراجات پر لگایا جاتا ہے۔
- ان اداروں کا مقصد اگر غلط نہیں تو ان کا ذریعہ اور وسیلہ ضرور گناہ پر مبنی ہے، جس کے بد اثرات سے ان کے اچھے کام بھی محفوظ نہیں رہ سکتے..... بلکہ زکوٰۃ کے صحیح حق دار وہ ادارے ہیں جو زکوٰۃ کا مال اس کے اصل مستحقین تک پہنچاتے ہیں یا وہ ادارے جو دینی تعلیم وتبلیغ کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے ہیں جس سے سیکولر حکومتیں بالکل تہی دامن ہیں۔

ملک بھر کے معتمد دینی مدارس کا فتویٰ

مذکورہ بالا وجوہ کی بنا پر ملک کے معتمد دینی مدارس کے ادارہ ہائے افتاء نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ اس نوعیت کی این جی اوز کی سرگرمیاں زکوٰۃ کا صحیح مصرف نہیں ہیں، اس لئے ان پر زکوٰۃ کو صرف کرنا درست نہیں۔ چنانچہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی حمید اللہ جان لکھتے ہیں:

''بے دین لوگ جن کو مذہب سے حقیقی واسطہ نہیں اور بے دینی پھیلانا، بے حیائی کی اشاعت ہی ان کا پیشہ ہے، ان کی کسی قسم کی امداد جائز نہیں ہے۔ انسانی ہمدردی اور ہسپتالوں کے نام پر آج کل جو لوٹ کھسوٹ شروع کرکے زکوٰۃ کو جمع کیا جارہا ہے، جبکہ ان کے ہاں شرعی طریقہ

www.KitaboSunnat.com

سے صرف کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا، یہ امر نہایت افسوسناک اور عوام کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔''

بریلوی مکتبِ فکر کی مرکزی درسگاہ جامعہ نعیمیہ، لاہور کے مفتی ڈاکٹر سرفراز نعیمی لکھتے ہیں:

''پاکستان کے اندر فحاشی، عریانی، بے حیائی، غیر مہذب اخلاقی اقدار کو فروغ دینے والے اداروں نے زکوٰۃ وصدقات وخیرات کو اپنی آمدنی کا ذریعہ بنانا شروع کردیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی واضح ہدایات کی روشنی میں یہ امر کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اہل ایمان ان اداروں پر اپنی زکوٰۃ وغیرہ ادا کرکے نہ صرف ضائع کررہے ہیں بلکہ برائیوں اور گمراہیوں کے پھیلانے میں مدد ومعاون بھی بن رہے ہیں۔ اُمت مسلمہ کو ان جیسے اداروں کو زکوٰۃ کی مد میں کسی قسم کا تعاون کرنا جائز نہیں ہے، آئندہ اس سے مکمل پرہیز کیا جائے اور زکوٰۃ جیسی مقدس عبادت کو گناہ میں تبدیل نہ کیا جائے۔''

اسی سے ملتے جلتے مفہوم کے فتاویٰ جامعہ منظور الاسلامیہ لاہور، جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ قاسم العلوم ملتان، جامعہ محمدیہ اسلام آباد وغیرہ کے ہیں۔ جامعہ دار الحدیث رحمانیہ ملتان کے مفتی محمد ابراہیم خان بن مولانا شمس الحق کے فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں:

''صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ ہو یا صدقات نفلی، چرم ہائے قربانی وغیرہ غیر شرعی اداروں کو دینا ناجائز ہے۔ مذکورہ ادارے غیر شرعی زمرے میں آتے ہیں، لہٰذا مستحق اداروں کو چھوڑ کر ان غیر شرعی اداروں کو صدقات وغیرہ دینا بالکل ناجائز ہے۔'' (مکمل فتاویٰ کیلئے مجلّہ الدعوۃ: جنوری ۲۰۰۵ء)

زکوٰۃ اور تعلیمی ادارے

جس طرح زکوٰۃ کے مصارف میں مریض شامل نہیں، اسی طرح تعلیم کا فروغ بھی گو کہ ایک مبارک کام ہے لیکن یہ بھی زکوٰۃ کے مصارف میں شامل نہیں ہے۔ اس بنا پر پاکستان میں ایسے تعلیمی ادارے جو محض تعلیم کے فروغ کے لئے سرگرم ہیں، ان پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ مثال کے طور پر گلوکار جواد احمد کی 'ایجوکیشن فار آل' نامی تنظیم، اداکارہ زیبا اور محمد علی کی 'علی زیب فاؤنڈیشن'، 'ریڈ فاؤنڈیشن'، 'تعمیر ملت فاؤنڈیشن' وغیرہ۔ یاد رہے کہ یہ تمام این جی اوز یوں بھی سیکولر اور لادین نظریات کی پرچارک ہیں، اور اُنہیں اسلامی احکام کے فروغ سے کوئی سروکار نہیں بلکہ یہاں شریعتِ اسلامیہ کے متعدد احکامات مثلاً مرد وزن کا اختلاط، موسیقی، اور حجاب وغیرہ کو پامال کیا جاتا ہے۔ پھر ان میں زکوٰۃ کو استعمال کرتے ہوئے وہی کوتاہیاں کی جاتی ہیں جن کا تذکرہ اوپر نکات وار کیا گیا ہے۔ اس بنا پر ان اداروں کو بھی زکوٰۃ دینے سے فرض کی

www.KitaboSunnat.com

ادائیگی نہیں ہوتی۔ان اداروں کے تشخص اور رجحانات کے لئے ان کی ویب سائٹس کا ایک سرسری مطالعہ ہی کافی ہے:

www.educatepakistan.com www.read.org.pk

www.alizaibfoundation.org

❷ دینی اداروں کو زکوٰۃ دینا

چونکہ دینی ادارے بنیادی طور پر دین کے فروغ کے لئے کام کرتے ہیں، اس لئے ان اداروں میں شریعت کے احکام کی پاسداری کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جاتی ہے۔ پھر ان اداروں کے ذمہ داران شریعت کے احکامات سے واقف اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اس لئے یہاں زکوٰۃ کو شرعی مصارف میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں بعض دینی مدارس تو اس دعویٰ کے ساتھ ہی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں کہ ان کے ہاں غریب، یتیم، نادار یا مسافر طلبہ پر زکوٰۃ صرف کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ فقیر و مسکین اور مسافر لوگ زکوٰۃ کے مصارف میں ہی شامل ہیں۔بعض دینی مدارس ان طلبہ کی طرف سے نیابتاً زکوٰۃ وصول کرکے ان کے مصارف پر خرچ کرنے کی ذمہ داری ادا کرنے کا موقف رکھتے ہیں۔ان کا یہ بھی دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ اس زکوٰۃ کو اساتذہ کے مشاہروں، تعمیر اور دیگر انتظامی اخراجات پر استعمال نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ مدارس کی رسیدوں میں بھی عموماً صدقہ کی نوعیت کا تذکرہ کرنے کے بعد ہر نوعیت کے حسابات (اکاؤنٹ) جداگانہ ہوتے ہیں۔

لیکن ہمارے خیال میں دینی اداروں کو اس تکلف میں پڑنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ زکوٰۃ کے مصارف میں 'فی سبیل اللہ' کی مد ایسی ہے جو غلبہ اسلام کے لئے بروئے کار لائے جانے والے تمام پہلوؤں کو شامل ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ فی سبیل اللہ کسی فرد کے حق کی بجائے ایک مکمل مد کی حیثیت رکھتی ہے جس پر 'فی' کا لفظ واضح دلالت کررہا ہے۔

'فی سبیل اللہ' کا مفہوم ومدعا

موضوع کے اس دوسرے پہلو کو مکمل کرنے کے لئے 'فی سبیل اللہ' کا مفہوم اور اس حوالے سے بعض اہم تصورات کو مختصراً جاننا ضروری ہے۔ فی سبیل اللہ سے مراد 'جہاد فی سبیل اللہ' ہے جیسا کہ اس کی وضاحت مختلف احادیث سے ہوتی ہے، فرمانِ نبوی ہے:

«لغدوة في سبيل الله أو روحة خير من الدنيا وما فيها» (صحیح بخاری:۲۵۸۳)

www.KitaboSunnat.com

''ایک رات اور دن کو اللہ کی راہ میں گزارنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔''

«لا يجتمع غبار في سبيل الله ودخان جهنم» (سنن ترمذی: ۲۳۱۱ صحیح)

''فی سبیل اللہ پڑنے والا غبار اور جہنم کی آگ کسی مسلمان پر جمع نہیں ہوسکتیں۔''

«لا تحلّ الصدقة لغني إلا لخمسة: لِغاز في سبيل الله أو لعامل عليها أو لغارم أو لرجل اشتراها بماله أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهداها المسكين للغني» (صحیح سنن ابوداود: ۱۶۳۵)

''زکوٰۃ مالدار شخص کے لئے حلال نہیں ہے ماسوائے پانچ افراد کے: اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا، زکوٰۃ کو جمع کرنے والا، مقروض شخص، مالِ زکوٰۃ کو خرید کر استعمال کرنے والا یا ایسا شخص جس کا ہمسایہ مسکین آدمی ہو، اسے مال زکوٰۃ سے ملے تو وہ ہمسایہ اس مال زکوٰۃ سے اپنے مال دار ہم سائے کو تحفہ دے دے، یعنی تحفہ کی شکل میں ملنے والا مالِ زکوٰۃ۔''

لغات الحدیث کے امام علامہ ابن اثیر جزریؒ فی سبیل اللہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''جب فی سبیل اللہ کا لفظ مطلق ذکر ہو تو اس کا اطلاق جہاد پر ہوتا ہے، حتیٰ کہ کثرت استعمال کی وجہ سے یہ لفظ گویا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے مخصوص ہو چکا ہے۔'' (النہایہ: ۳۳۸/۲)

چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، شافعیہؒ، حنابلہؒ، علامہ طبریؒ، علامہ قرطبیؒ، حافظ ابن کثیرؒ، حافظ ابن حزمؒ، ابن قدامہؒ، امام شوکانیؒ، ابو عبید قاسمؒ، علامہ قرضاوی، ڈاکٹر وہبہ زحیلی اور سعودی مجلس افتاء کے نزدیک اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ☆ ہی ہے۔ (فقہ الزکوٰۃ: ۶۴۱/۱، ۲۵۷/۲؛ الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۸۷۴/۲، بدایہ: ۳۲۵/۱، نیل الاوطار ۱۳۱/۳)

اس موضوع کی لمبی چوڑی تفصیلات کا خلاصہ یہی ہے جسے اوپر مختلف علما کے حوالے سے بیان کردیا گیا ہے، مکمل تفصیلات کے لئے دیکھئے فقہ الزکوٰۃ: ج ۲ ص ۱۲۵ تا ۱۶۶، ۱۵۲

یہ امر واضح ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ سے مراد محض عملی جنگ (قتال) نہیں۔ اوّل تو اس سے مراد ایسی جنگ ہے جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے ہو یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر

☆ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور ائمہ سلف کی عظیم اکثریت کی رائے یہی ہے کہ مصارف زکوٰۃ سے متعلق آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد وہ مجاہدین ہیں جو رضا کارانہ طور پر کفر کے خلاف لڑتے ہیں۔ سرکاری خزانے سے ان کو باقاعدہ تنخواہیں نہ ملتی ہوں۔'' (تفہیم المسائل از مولانا گوہر رحمٰن: ۱۱۵/۲)

جن فوجیوں کو باقاعدہ تنخواہ ملتی ہو، ان کا زکوٰۃ میں کوئی حصہ نہیں، البتہ شافعیہ کا دوسرا قول یہ بھی ہے کہ بیت المال میں رقم نہ ہونے کے سبب اگر اُنہیں کچھ نہ مل رہا ہو تو اس صورت میں جائز ہے۔ (المغنی: ۴۳۶/۶، حاشیہ ابن عابدین: ۶۱/۲، فتح القدیر: ۱۷/۲، الشرح الکبیر مع الدسوقی: ۴۹۷/۱، المجموع: ۲۱۲/۶، ۲۱۳، موسوعہ فقہیہ: ۳۲۳/۲۳)

www.KitaboSunnat.com

نے ایک عورت کا مال زکوٰۃ ان ٹولیوں کو دینے سے انکار کردیا جو الٰہی مقاصد کی بجائے لسانی وقومی عصبیت یا لوٹ مار کے لئے جنگ وجدل کیا کرتے تھے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸۵/۸)

علاوہ ازیں جہاد کا لفظ جہاں قتال کی تیاریوں کو شامل ہے، وہاں یہ اصطلاح غلبہ دین کے لئے بروئے کار لائی جانے والی تمام سرگرمیوں کو بھی حاوی ہے جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے:

◉ «أفضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر» (سنن ابوداود: ۴۳۴۴)

''ظالم وجابر سلطان کے سامنے عدل وانصاف کا کلمہ کہنا بہترین جہاد ہے۔''

◉ «جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم وألسنتكم» (سنن ابوداود: ۲۵۰۴)

''اپنے مال، جان اور زبان کے ساتھ مشرکوں سے جہاد کرو۔''

◉ آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے بے عمل لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ

«فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل»

''جو آدمی ان سے ہاتھ سے جہاد کرے، وہ مؤمن ہے، جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور جو دل سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے۔ البتہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر ایمان نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم: ۵۰)

ان احادیث میں جہاد فی سبیل اللہ کو زبان، ہاتھ، مال اور دل تمام اعضا سے منسوب ومتعلق فعل قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد غلبہ دین کے لئے ہر نوعیت کی ایسی کوشش کو شامل ہے جس میں دو طرفہ شرکت پائی جائے۔ جیسا کہ انسان کا نفس امارہ اس کو برائی کی طرف راغب کرتا ہے تو اس کو نظر انداز کرکے اللہ کے احکام کی پاسداری کرنا بھی جہاد ہے:

◉ سمعت رسول الله ﷺ المجاهد من جاهد نفسه (سنن ترمذی: ۱۶۲۱)

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔''

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا ہے:

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴾ (الفرقان: ۵۲)

''کافروں کے پیچھے لگنے کی بجائے ان سے قرآن کے ساتھ عظیم جہاد کیجئے۔''

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں 'ہٖ' کی ضمیر سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ اور یہ مکی سورۃ کی ایک آیت ہے جبکہ قتال کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

الجهاد المكي بالعِلْم والبيان والجهاد المدني مع المكي باليد والحديد

www.KitaboSunnat.com

قال الله تعالى ﴿فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ وسورة الفرقان مكية وإنما جاهدهم باللسان والبيان (مجموع الفتاویٰ:۲۸/۳۸)

''مکی جہاد علم اور بیان کے ساتھ تھا جبکہ مدنی جہاد، مکی جہاد کے ساتھ ساتھ ہاتھ اور تلوار کا جہاد بھی تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: اور آپ ﷺ کافروں کی بات نہ مانیں اور ان کے ساتھ اس کے ذریعے بڑا جہاد کریں اور سورۂ فرقان مکی ہے اور آپؐ نے مکہ میں مشرکین کے ساتھ زبان اور بیان کا جہاد کیا۔''

نبی ﷺ نے اپنے ایک فرمان میں طلبِ علم کو دوٹوک الفاظ میں فی سبیل اللہ قرار دیا ہے:

«من خرج في طلب العلم كان في سبيل الله حتى يرجع» (سنن ترمذی:۲۶۴۷)

''جو شخص طلب علم کے لئے نکلتا ہے، وہ جہاد فی سبیل اللہ میں ہی ہے جب تک وہ لوٹ آئے۔''

'فی سبیل اللہ' کو جہاد فی سبیل اللہ قرار دے کر اسے زکوٰۃ کی ایک مد قرار دینے کا موقف مختلف علما نے اختیار کیا ہے چنانچہ امام طبریؒ اپنی تفسیر میں 'فی سبیل اللہ' کے تحت لکھتے ہیں کہ

''اس سے مراد اللہ کے دین کی تائید، اسلامی شریعت کی تاسیس پر صرف کرنا فی سبیل اللہ خرچ کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دشمنان اسلام سے جہاد اور قتال اور کفار سے جنگ اسی جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔ کیونکہ کبھی اللہ کے دین کی تائید ونصرت کے لئے قتال اور جنگ کی ضرورت بھی پیش آجاتی ہے۔ بلکہ بعض حالات میں یہی ایک ناگزیر طریقہ رہ جاتا ہے جس سے نصرتِ دین ہوسکتی ہے۔ لیکن ایسے بھی ادوار آتے ہیں کہ جن میں نظریاتی جدوجہد، جنگی اور مادّی جدوجہد سے کہیں زیادہ مؤثر، گہری اور عمیق ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہمارے دور میں ہے۔''

رابطہ عالم اسلامی کے زیر نگرانی مجمع الفقه الاسلامي نے اپنے اجلاس میں جو شیخ عبد العزیز بن بازؒ کے زیر نگرانی ۲۸ ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء کو منعقد ہوا، مصارف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ کی تعریف کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ

''① فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت ہے، جس پر سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۲ اور سنن ابوداود کی حدیث☆ وغیرہ دلالت کرتی ہیں۔ ② مسلح جہاد سے اللہ کا کلمہ بلند کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہی مقصد دعوت الی اللہ اور اشاعتِ دین کے کاموں سے بھی پورا ہوتا ہے، چنانچہ یہ دونوں

☆ اُمّ معقل اسدیہ کو نبی کریم نے اس اونٹ پر حج کرنے کا حکم دیا جسے ان کے شوہر نے (زکوٰۃ میں ادا کرتے ہوئے) فی سبیل اللہ وقف کردیا تھا، اور فرمایا کہ حج بھی فی سبیل اللہ ہی ہے۔ مختصراً (سنن ابو داود:۱۹۸۹) علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (صحیح سنن ابوداود:۱۷۵۲) جبکہ امام شوکانیؒ نے اس حدیث کو اضطراب اور سند میں متکلم فیہ راوی کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔ (نیل الاوطار:۴/۱۸۱)

www.KitaboSunnat.com

باتیں فی سبیل اللہ کے مصداق میں شامل ہیں جیسا کہ جہاد کے مفہوم میں وسعت پر کئی احادیث دلالت کرتی ہیں۔ ③ حکومتیں اپنے تحفظ کے لئے بھاری بجٹ منظور کرتی ہیں لیکن دعوتی جہاد کے لئے اکثر ممالک کے بجٹ میں کوئی رقم تجویز نہیں کی جاتی، ان وجوہات کی بنا پر یہ اجلاس کثرتِ رائے سے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ دعوت الیٰ اللہ، اس کو تقویت دینے اور اس میں معاون بننے والے جملہ کام آیت میں مذکور فی سبیل اللہ کے معنی میں شامل ہیں۔'' مختصراً

(کتاب 'مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ': ص ۲۰۳ تا ۲۰۶)

علامہ یوسف القرضاوی اس موقف کے متعدد دلائل دینے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ تمام قرائن اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ آیتِ مصارف میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہی ہے جیسا کہ جمہور کی رائے ہے۔ ان دلائل کے پیش نظر میں اس رائے کو ترجیح دیتا ہوں کہ فی سبیل اللہ کا لفظ نہ تو تمام مصالح اور نیک کاموں کو شامل ہے، کیونکہ اس میں اس قدر وسعت نہیں ہے اور نہ ہی اس میں اس قدر زیادہ تنگی ہے کہ یہ صرف جنگی جہاد (قتال) کے مفہوم میں محصور سمجھا جائے۔ جہاد تو قلم سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی، فکری بھی ہوتا ہے اور تربیتی بھی، اجتماعی بھی اور اقتصادی بھی، سیاسی اور عسکری بھی۔ اور جہاد کی ان جملہ اقسام کے لئے مال اور امداد کی ضرورت ہے۔ البتہ اس میں ایک اساسی شرط کا پایا جانا ضروری ہے کہ جہاد کی ہر نوع میں تائید اور اعلاے کلمۃ اللہ مقصود ہو۔ اس طرح کی ہر جدوجہد 'جہاد فی سبیل اللہ' ہے خواہ اس کی کوئی بھی قسم ہو اور خواہ اس میں ہتھیار استعمال کئے جائیں یا نہ کئے جائیں۔

آج ہم اس دور میں، دینی اداروں میں ایک اور نوعیت کے غازی تیار کرتے ہیں اور ایک اور قسم کے حفاظتی دستے ترتیب دیتے ہیں تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کو علمی اور فکری انداز میں پیش کر کے نظریاتی فتوحات حاصل کرسکیں اور اسلام پر کئے جانے والے حملوں کی بہترین مدافعت کرسکیں۔'' (فقہ الزکوٰۃ مترجم: ج ۲/ ۱۵۳، ۱۵۴)

برصغیر کے ممتاز علما مثلاً سید سلیمان ندوی، مولانا ابو الکلام آزاد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا محمد منظور نعمانی، اور مولانا امین احسن اصلاحی رحمہم اللہ نے بھی 'فی سبیل اللہ' کا یہی مفہوم اختیار کیا ہے۔ (بحوالہ ماہنامہ حکمتِ قرآن: شمارہ جولائی ۲۰۰۴ء، ص ۵۶)

کیا فی سبیل اللہ میں تمام کارِ خیر شامل ہیں؟

'فی سبیل اللہ' زکوٰۃ کی ایک اہم مد ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مد ہمہ نوعیت کے کارِ خیر، رفاہی اور فلاحی کاموں تک وسیع ہے لیکن یہ موقف درست نہیں کیونکہ قرآنِ کریم

www.KitaboSunnat.com

اوراحادیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔قرآن میں مصارفِ زکوٰۃ سے قبل کلمہ حصر إِنَّمَا کا یہی تقاضا ہے اور احادیث میں نبی کریم ﷺ کا بعض لوگوں کو زکوٰۃ سے روکنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا۔ پھر زکوٰۃ کو آٹھ مصارف میں محدود کرنا بے مقصد ٹھہرتا ہے، کیونکہ اس طرح یہ مد اس قدر وسیع ہو جاتی ہے کہ ہر قسم کے کارِ خیر اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مختلف علما نے اس موقف کو نا قابل قبول قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ناصر الدین البانیؒ لکھتے ہیں:

''آیتِ مصارف کی یہ تفسیر کہ اس سے جملہ اعمالِ خیر مراد ہوں، سلف میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔اگر معاملہ اس طرح ہوتا تو پھر آیت کریمہ میں زکوٰۃ کو صرف آٹھ مصارف میں محدود کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' (تمام المنة:۳۸۲)

امام ابوعبید قاسمؒ بن سلام اپنی کتاب 'الاموال' لکھتے ہیں:

''میت کا قرض ادا کرنے، کفن کا خرچ مہیا کرنے، مساجد کی تعمیر، نہروں کی کھدائی اور ان کے مشابہ نیکی کے کاموں میں زکوٰۃ کا مال صرف کرنا، امام سفیان اور اہل عراق و دیگر علما کا اس پر اتفاق ہے کہ کفایت نہیں کرتا کیونکہ یہ اُمور آٹھ مصارف میں شامل نہیں ہیں۔''(فقرہ:۱۹۷۹)

علامہ قرضاوی نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے کہ زکوٰۃ کو مفادِ عامہ اور رفاہی سرگرمیوں کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا جس کے بعد انہوں نے موضوع پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے دلائل کا موازنہ پیش کرکے اسی رائے کو ترجیح دی ہے کہ فی سبیل اللہ کی مد میں بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ کام اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ہو۔مزید تفصیل کے لئے فقہ الزکوٰۃ: ۱۳۵ تا ۱۵۶

ایمبولینس خریدنا، یا اسے میت کی تجہیز وتکفین پر خرچ کرنا جیسا کہ ایدھی فاؤنڈیشن والے کرتے ہیں، ان پر بھی زکوٰۃ کا مال لگانا شرعاً درست نہیں ہے۔مولانا گوہر رحمٰن لکھتے ہیں:

''اگر تو ایمبولینس سے صرف غریب مریض ہی استفادہ کرتے ہوں تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، چونکہ مریض کے سلسلے میں امیر وغریب کی احتیاط کے بغیر ایمبولینس کو استعمال کرلیا جاتا ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے عام صدقہ جاریہ سے اعانت کی جائے۔

لاوارث لاش کو لے جانا اور اس کی تجہیز وتکفین کرنا بہت اچھا رفاہی کام تو ہے، لیکن یہ زکوٰۃ کے ۸ مصارف میں شامل نہیں ہے۔بعض لوگوں نے شاذ ونادر اقوال کا سہارا لے کر اور آزادانہ اجتہاد کے ذریعے نیکی اور بھلائی کے ہر کام کو فی سبیل اللہ کی مد میں شامل کیا ہے، مگر چاروں ائمہ اور اہل ظاہر واہل تشیع سب کا دلائل کی روشنی میں متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ اس مد سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے، ہر قسم کے رفاہی کام نہیں۔'' (تفہیم المسائل:۲/۳۵۶)

www.KitaboSunnat.com

مذکورہ بالا دلائل اور علما کرام کے اقتباسات سے یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ فی سبیل اللہ کی مد میں نہ تو ہر خیر کا کام شامل ہے اور نہ ہی یہ صرف جنگی جہاد کے لئے مخصوص ہے، بلکہ اس مد میں جہاد کی تمام صورتیں شامل ہیں، جن کی مزید صراحت علامہ قرضاوی نے اس اساسی شرط کے ساتھ کردی ہے کہ ان میں اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی کوئی صورت پائی جاتی ہو۔

اس بنا پر مدارسِ دینیہ اور اسلامی تحریکیں تو فی سبیل اللہ کی مد کی وجہ سے مالِ زکوٰۃ کی مستحق ٹھہرتی ہیں۔ اور ان کے اس استحقاق کی بنا پر اس پیچیدگی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ مدارس میں یہ زکوٰۃ صرف غریب اور فقیر طلبہ پر ہی صرف کی جائے بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انہی مدارس میں صاحبِ نصاب شخصیات کے کئی بچے بھی مفت تعلیم حاصل کرتے اور بعض اوقات وہاں قیام وطعام کی سہولتوں سے بھی مفت فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اگر وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں تو پھر اس مال زکوٰۃ کا استعمال ان کے لئے حرام ٹھہرتا ہے۔

اگر بعض متمول لوگ مالِ زکوٰۃ کے سلسلے میں یہ احتیاط کرتے ہیں کہ وہ وہاں سے کسی قسم کا فائدہ نہ اُٹھائیں، یا اس مال کو مدارس کی تعمیر میں نہ لگایا جائے تو یہ ان کی تقویٰ پر مبنی ذاتی احتیاط☆ ہے، وگرنہ جہاد فی سبیل اللہ..... جو ایک مد ہے، محض کسی فرد کا مفاد نہیں..... میں شامل ہونے کی بنا پر اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ایسے ہی اگر فی سبیل اللہ کا یہی مفہوم ہے کہ یہ اعلاے کلمہ اللہ کی تمام مساعی کو حاوی ہے تو مدارس کے اساتذہ کے مشاہرے بھی اس سے ادا کیے جاسکتے ہیں، البتہ مساجد کا مسئلہ بعض دیگر وجوہ کی بنا پر مال زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت ونظر ثانی کی ضرورت ممتاز حنفی علما بھی محسوس کرتے رہے ہیں، چنانچہ مفتی کفایت اللہؒ نے مدرسہ کے اساتذہ کی تنخواہوں کے سلسلے میں ایک فتویٰ دیتے ہوئے لکھا ہے:

''چونکہ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیکِ بلاعوض ضروری ہے اور اس اصل سے عاملین کے سوا کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، اس لئے حنفی اُصول کے مطابق مدرسین کی تنخواہ زکوٰۃ سے نہیں دی جاسکتی۔ البتہ دیگر ائمہؒ کے مسلک کے موافق جو تملیک کو ضروری نہیں سمجھتے اور وہ

☆ فی سبیل اللہ کو عام مراد لینے کی بجائے بہتر یہی ہے کہ اس سے جہاد فی سبیل اللہ کو مراد لیا جائے جیسا کہ جہاد مراد ہونے پر اتفاق ہے۔ مدرسین کی تنخواہیں، مناظرین اور مبلغین کا کرایہ وغیرہ وغیرہ زکوٰۃ سے ادا ہوسکتے ہیں۔ البتہ غنی طلبہ کو اس سے اس بنا پر احتراز کرنا چاہئے کیونکہ تعلیم وتعلّم یہ جہاد کی ایک مجازی قسم ہے، غنی کو اس سے احتراز کرنا بہتر ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث: ۲/۴۹۴ تا ۴۹۶، ۵۰۴)

www.KitaboSunnat.com

اُمورِ خیر میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، اس کی گنجائش ہے کہ مدرسین کی تنخواہیں زکوٰۃ سے ادا کردی جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ دینی تعلیم کی وجود وبقا اسلامی عربی مدارس پر ہی موقوف ہے، ان مدارس کی زندگی کا دارومدار آج کل زکوٰۃ پر ہی رہ گیا ہے۔ معاملہ اہم ہے، مگر اس کا فیصلہ حنفیہ کے علماے متدین وموقعہ شناس اجتماعی رائے سے ہی دے سکتے ہیں۔'' (کتاب 'مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ': ص۱۶۲)

مشہور حنفی عالم مولانا گوہر رحمٰن نے مدارس کے عام مصارف پر زکوٰۃ خرچ کرنے کے جواز پر یہ فتویٰ دیا ہے:

''حنفی مسلک کے مطابق تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے، اور زکوٰۃ لینے والے کا فقیر ہونا بھی شرط ہے، سوائے عاملین کے۔ اس لئے نادار طلبہ کے علاوہ مدرسے کے دوسرے اخراجات زکوٰۃ سے پورے نہیں کئے جاسکتے۔ لیکن اس موقف کی مجھے حنفی مسلک میں کوئی قوی دلیل معلوم نہیں ہوسکی۔

مصارف زکوٰۃ میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے، اور دینی تعلیم بھی جہاد کے مفہوم میں شامل ہے بلکہ امام جصاص نے تو جہاد بالعلم کو جہاد بالسیف سے افضل قرار دیا ہے☆ چنانچہ تملیک کی شرط فقرا ومساکین کی مد میں تو تسلیم کی جاسکتی ہے، لیکن جہاد کی مد میں اس کے شرط ہونے کی کوئی قوی دلیل موجود نہیں۔ میری ناقص رائے میں دینی مدارس اور دعوتی وتبلیغی تنظیموں کے تمام اخراجات زکوٰۃ سے پورے کئے جاسکتے ہیں۔'' (تفہیم المسائل: ۲/۱۰۷)

آج اگر بعض ادارے تعلیم کے فروغ کے نام پر سرگرم ہیں تو محض ایک کارِ خیر ہونے کی بنا پر وہ مالِ زکوٰۃ کے مستحق نہیں بنتے، جب تک کہ ان کے پیش نظر تعلیم اس اساسی شرط کی حامل نہ ہو کہ وہ تعلیم اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کی نوعیت سے ہو۔ دوسرے لفظوں میں قرآن وسنت کی تعلیم تو اس میں شامل ہے، ایسے ہی قرآن وسنت کے علما کو جدید علوم (سائنس وکمپیوٹر وغیرہ) سے مزین کرنا بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ ان علوم کو سیکھنے کا مقصد اللہ کے دین کو بلند کرنے کی بہتر صلاحیت حاصل کرنا ہے۔ البتہ اگر کسی تعلیم کا مقصد معاش کمانا یا اپنے اہل وعیال کا حلال روزی سے فرض ادا کرنا ہو تو یہ ایک کارِ خیر تو ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ نہیں۔ اس بنا پر آغاز میں ذکر کردہ متعدد وجوہ کے علاوہ سیکولر تعلیم اور دیگر مقاصد کیلئے حاصل کئے جانے والے علم کو 'فی سبیل اللہ' شمار کرکے ان پر زکوٰۃ صرف نہیں کی جاسکتی۔ واللہ اعلم

☆ أحکام القرآن از امام جصاص ۳/۱۱۸ اور زاد المعاد از حافظ ابن قیم: ۲/۳۹، ۴۰

www.KitaboSunnat.com

اہل علم نے اسی بنا پر طباعتِ قرآن کے لئے زکوٰۃ کے استعمال کو جائز قرار نہیں کہ یہ زکوٰۃ کے مصارف میں شامل نہیں۔ (فتاویٰ شیخ ابن باز: ۲۹۹/۱۴)

مولانا گوہر رحمٰن اپنے تفصیلی مقالہ کے خلاصہ پر لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ دینی مدارس اور دعوتی وتبلیغی تنظیموں اور اداروں کے تمام اخراجات زکوٰۃ فنڈ سے پورے کئے جاسکتے ہیں۔ کتابیں خرید کر وقف کی جاسکتی ہیں، اساتذہ اور عملہ کی تنخواہیں دی جاسکتی ہیں، طلبہ کے وظائف اور خورد ونوش پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ دلیل کے اعتبار سے یہی بات قوی ہے کہ جہاد کے مفہوم میں دینی تعلیم اور دعوتی وتبلیغی کام شامل ہیں۔ البتہ ہر قسم کے رفاہی امور اس میں شامل نہیں، اس لئے کہ یہ نیکی کے کام تو ہیں، لیکن جہاد نہیں۔ اسی طرح دنیوی تعلیم کے سکولوں اور کالجوں پر زکوٰۃ صرف نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ نیکی کے کام تو ہیں لیکن شرعی جہاد کے زمرے میں نہیں آتے۔'' (تفہیم المسائل: ۱۲۹/۲، ۱۳۵)

ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

''فی سبیل اللہ کی مد سے دینی کتابوں کی لائبریری بنانا بھی جائز ہے۔ لیکن یاد رکھئے کہ مطلق علم جہاد نہیں ہے بلکہ دین کا علم جہاد ہے۔ لہٰذا اس لائبریری میں خالص دینی کتب جو بدعات وشرکیات سے پاک ہوں، خرید کر وقف کرسکتے ہیں۔ حنفی مسلک میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک فقیر شرط ہے لیکن میرے فہم میں فی سبیل اللہ کی مد میں تملیک کو شرط قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' (ایضاً: ۳۹۶/۴)

علامہ یوسف قرضاوی دینی تعلیم کی اسی اہمیت کے پیش نظر لکھتے ہیں:

''اگر کسی مقام پر حالات کا نقشہ یہ ہو کہ تمام تعلیمی ادارے مشنریوں کے قبضے میں ہوں یا اشتراکی تسلط میں ہو یا سیکولر تعلیم کے ادارے بن چکے ہوں تو ایک دینی اصلاحی درسگاہ کا قیام ایک عظیم جہاد ہوگا۔ اور اس درسگاہ سے نئی نسل کو اسلامی فکری تعلیم سے آراستہ کرکے اُنہیں دشمنانِ اسلام کی فکری اور نظریاتی یلغار کے بالمقابل کھڑا کیا جائے گا۔ اور اُنہیں اس نہج پر تیار کیا جائے گا کہ وہ مختلف نظاموں، کتابوں اور لٹریچر میں پھیلے ہوئے زہر کا تریاق دریافت کریں اور اُمت مسلمہ کو اس زہر سے محفوظ رکھنے کی سعی کریں۔'' (فقہ الزکوٰۃ: ۱۵۶/۲)

مذکورہ بالا تفصیلی بحث سے یہ امر بخوبی ثابت ہوجاتا ہے کہ زکوٰۃ کو اس کے طے شدہ مصارف پر ہی صرف ہونا چاہئے، اس کے بغیر دی جانے والی زکوٰۃ کو دوبارہ ادا کرنا ہوگا۔ اسلام کے بنیادی فریضہ زکوٰۃ کو عام رفاہی کاموں مثلاً تعلیم، مرض اور تجہیز وتکفین پر صرف کرنا شرعاً درست نہیں البتہ جہاد فی سبیل اللہ کی مد میں اسے خرچ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے! (حافظ حسن مدنی)

www.KitaboSunnat.com

اَحکام ومسائل

شیخ محمد بن صالح المنجد، مکہ
مترجم: شمس الحق بن اشفاق اللہ

رمضان المبارک کے بعض اہم ونادر مسائل

رمضان المبارک کے کام

① اپنے آپ اور اپنے ماحول کو عبادت کے لئے تیار کرنا، توبہ واستغفار کی طرف جلدی کرنا، رمضان کے آنے پر خوشی منانا اور پورے ادب کے ساتھ روزے رکھنا، تراویح میں دل جمعی اور خشوع کا خیال رکھنا، سستی سے باز رہنا، خصوصاً آخری دس دن میں شبِ قدر کی تلاش میں لگے رہنا، تدبر وتفکر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور اسے ایک سے زائد بار مکمل کرنے کی کوشش کرنا رمضان المبارک کے اہم کام ہیں۔ پھر رمضان کا عمرہ بھی حج کے برابر ہے، اس ماہ میں صدقہ کا اجر دوبالا ہوجاتا ہے اور اعتکاف کرنے کی بھی خاص تاکید آئی ہے۔

☜ اس ماہ کی آمد پر مبارکباد دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، نبی ﷺ صحابہ کو رمضان کی آمد کی بشارت دیتے تھے اور اس کے اہتمام پر اُبھارتے تھے، چنانچہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أتاكم رمضان شهر مبارك، فرض الله عزوجل عليكم صيامه، تفتح فيه أبواب السماء، وتغلق فيه أبواب الجحيم، وتغل فيه مردة الشياطين، فيه ليلة خير من ألف شهر من حرم خيرها فقد حرم»

''تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آیا ہے، اس کے روزے اللہ نے تم پر فرض کئے ہیں، جن میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور بدمعاش شیطانوں کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں، اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو شخص اس کی خیر سے محروم رہا وہ حقیقی محروم ہے۔'' (سنن نسائی: ۲۱۰۸، صحیح الترغیب: ۱/۴۱۸)

روزے کے احکام

② بعض روزوں میں تسلسل ضروری ہے جیسے رمضان کے روزے، قتل خطا کے کفارہ کے

www.KitaboSunnat.com

روزے، کفارۂ ظہار کے روزے، رمضان کے دن میں جماع کرنے کے کفارہ کے روزے۔ اسی طرح جس نے مسلسل روزے رکھنے کی نذر مانی ہو،اس پر بھی تسلسل سے روزہ رکھنا ضروری ہے۔

جبکہ بعض روزوں میں تسلسل کی شرط نہیں ہے جیسے رمضان کے روزوں کی قضا، حج میں قربانی نہ کرنے والے کے دس روزے، قسم توڑنے والے پر کفارہ کے روزے (جمہور علماء کے نزدیک)، اور (صحیح قول کے مطابق) احرام کی حالت میں کسی ممنوع چیز کے ارتکاب پر فدیہ کے روزے، اس میں بھی تسلسل ضروری نہیں اور مطلقاً نذر کے روزے جس شخص نے تسلسل کی شرط نہ رکھی ہو۔

③ نفل روزے، فرض روزوں کی کمی کی تلافی کرتے ہیں جیسے عاشورا، عرفہ، ایامِ بیض (یعنی ہر قمری ماہ کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ) کے روزے، پیر اور جمعرات کا روزہ اور شوال کے چھ روزے، محرم اور شعبان میں کثرت سے روزے رکھنا وغیرہ۔

④ فرض کے علاوہ صرف جمعہ کو یا صرف ہفتہ کو خصوصاً روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے، سارا زمانہ روزہ رکھنا اور صوم وصال یعنی بغیر افطار کے دو یا اس سے زیادہ دنوں تک روزہ رکھنا بھی ممنوع ہے۔

عیدین او رایامِ تشریق (یعنی گیارہ، بارہ، تیرہ ذوالحجہ کے دن) روزہ رکھنا حرام ہے، یہ دن کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔ جس شخص کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ منیٰ میں ان دنوں میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔

مہینہ کے شروع ہونے کا ثبوت

⑤ ماہِ رمضان کا چاند دیکھنے سے رمضان شروع ہوجاتا ہے یا پھر شعبان کے تیس دن مکمل ہوجانے کے بعد رمضان داخل ہوجاتا ہے۔ جس کسی نے خود چاند دیکھا ہو یا کسی قابل اعتماد آدمی سے اس کی خبر ملی ہو تو پھر اس پر روزہ رکھنا واجب ہوجاتا ہے۔

رؤیت کے بغیر صرف حساب کے ذریعہ مہینہ کی شروعات ثابت کرنا بدعت ہے کیونکہ حدیث میں صاف وضاحت ہے: «صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته» (صحیح بخاری:۱۹۰۹)

www.KitaboSunnat.com

''چاند دیکھ کر روزہ شروع کرو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو۔''

لہٰذا اگر بالغ، عاقل اور امانتدار مسلمان جس کی سچائی اور نگاہ پر بھروسہ ہو اور اس نے دیکھنے کا دعویٰ کیا ہو تو اس کی بات پر عمل کیا جائے گا۔

روزہ کس پر واجب ہے اور کس پر نہیں؟

⑥ ہر بالغ، عاقل، مقیم اور روزہ کی طاقت رکھنے والے مسلمان پر روزہ واجب ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ جیسے حیض، نفاس وغیرہ۔

تین علامتوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ بلوغت ثابت ہوجاتی ہے:

خروجِ منی، احتلام کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے، شرمگاہ کے قریب سخت بالوں کا اُگنا یا ۱۵ سال مکمل ہونا، عورت ہو تو مزید ایک اور علامت کا اعتبار ہوگا یعنی حیض کا آنا، جب بھی حیض شروع ہوجائے تو وہ لڑکی بالغ شمار ہوگی اور اس پر روزہ واجب ہوگا خواہ وہ دس سال سے قبل ہی کیوں نہ ہو۔

⑦ بچہ سات سال کی عمر میں روزہ کی طاقت رکھتا ہو تو اسے روزہ کا حکم دیا جائے گا۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اگر دس سال کی عمر میں روزہ نہ رکھے تو اُسے مارا جائے گا جس طرح نماز ترک کرنے پر مارا جاتا ہے۔

روزہ کا اجر بچے کو اور والدین کو تربیت وتعلیم کا اجر ملے گا، ربیع بنت معوذؓ کہتی ہیں:

''جب عاشورا کے روزے فرض ہوئے تو ہم اپنے بچوں کو روزہ رکھواتے تھے اور روئی کے کھلونے بناتے۔ جب وہ کھانے کے لئے روتے تو ان کھلونوں سے بہلاتے یہاں تک کہ افطار کا وقت ہوجاتا۔'' (صحیح بخاری: رقم ۱۹۶۰)

بعض لوگ اپنے بچوں کے روزہ کے سلسلہ میں غفلت برتتے ہیں، بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کبھی بچہ جوش و جذبہ کے تحت روزہ رکھتا ہے تو اس کے ماں باپ روزہ توڑنے کا حکم دے دیتے ہیں اور اِسے وہ اپنے گمان کے مطابق بچے پر شفقت سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ نہیں خیال کرتے کہ حقیقی شفقت تو روزہ رکھوانے میں ہے، اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَقُوْدُهَا النَّاسُ

www.KitaboSunnat.com

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحریم:٦)

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں۔ اُنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو کچھ حکم دیا جائے، بجالاتے ہیں۔''

بچی کے روزے کے بارے میں اس کی بلوغت کے اوّل مرحلے میں اہتمام ضروری ہے، ممکن ہے کہ ایامِ حیض میں بھی وہ شرم کی وجہ سے روزہ رکھ لے اور پھر اس کی قضا نہ کرے۔

⑧ کافر اگر مسلمان ہوجائے یا بچہ بالغ ہوجائے یا مجنون کو افاقہ ہوجائے تو بقیہ دن ان پر کھانے پینے سے بچے رہنا ضروری ہے، اس لئے کہ عذر ختم ہوتے ہی ان پر روزہ واجب ہوگیا۔ رمضان کے جو روزے پہلے گذر چکے ہیں، اس کی قضا ضروری نہیں، کیونکہ اس وقت ان پر روزے واجب نہیں تھے۔

⑨ پاگل پر کوئی مؤاخذہ نہیں، اگر کبھی پاگل ہوجاتا ہو اور کبھی ہوش میں آجائے تو صرف ہوش وحواس کی حالت میں اس پر روزہ واجب ہوگا۔ روزہ کی حالت میں دن کے کسی وقت اگر اس پر جنون طاری ہوجائے تو اس کا روزہ باطل نہیں ہوگا، جس طرح کسی بیماری کی وجہ سے اس پر بے ہوشی چھا جائے تو روزہ باطل نہیں ہوتا، کیونکہ نیت کرتے وقت وہ صاحبِ عقل تھا، لہٰذا اس قسم کے لوگ غشی طاری ہونے والے کے حکم میں ہوں گے۔

⑩ رمضان کے دوران جس کا انتقال ہوجائے، اس پر یا اس کے وارثین پر بقیہ ماہ کے روزوں کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

⑪ جسے رمضان کے روزے فرض ہونے کا علم نہ ہو، یا روزے میں کھانے اور جماع کرنے کی حرمت کا علم نہ ہو تو اکثر علما اسے معذور سمجھتے ہیں بشرطیکہ اس طرح کے لوگ واقعتاً قابل عذر والے ہوں مثلاً نومسلم ہو، یا ایسا مسلمان جو دارالحرب میں رہتا ہو، یا کافروں کے درمیان پروان چڑھا ہو۔ لیکن جو مسلمانوں کے درمیان پروان چڑھا ہو اور مسئلہ معلوم کرنا اس کے لئے ممکن ہو تو ایسی صورت میں وہ معذور نہیں ہے۔

www.KitaboSunnat.com

سفر میں روزہ کا رکھنا یا چھوڑنا؟

⑫ سفر میں روزہ چھوڑنے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس پر مسافت کے اعتبار سے سفر کا اطلاق ہو یا عرفِ عام میں سفر کہلائے۔ شہر اور اس کی حدود سے باہر چلا جائے لیکن (جمہور علما کے نزدیک) یہ سفر کسی معصیت کی غرض سے نہ ہو اور روزہ چھوڑنے کے لئے حیلہ نہ ہو۔

⑬ ساری اُمت کا اتفاق ہے کہ مسافر کے لئے روزہ چھوڑنا جائز ہے خواہ وہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو یا نہیں، روزہ رکھنا اس کے لئے آسان ہو یا مشکل، (یعنی اگرچہ سفر آسان ہو اور ساری سہولتیں میسر ہوں) اگرچہ سائے اور پانی میں سفر کر رہا ہو، اس کے ساتھ خادم بھی ہو، پھر بھی اس کے لئے روزہ چھوڑنا اور قصر کرنا جائز ہے۔

⑭ رمضان میں اگر کوئی شخص سفر کا پختہ ارادہ رکھتا ہو تو سفر شروع کرنے سے پہلے اس کے لئے افطار کرنا جائز نہیں، کیونکہ ممکن ہے اس کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کی وجہ سے وہ سفر نہ کر سکے۔ (تفسیر قرطبی: ۲/۲۷۸)

مسافر اپنی بستی کی عمارتوں سے باہر نکلنے کے بعد ہی روزہ چھوڑ سکتا ہے، اسی طرح جہاز اُڑ جائے اور شہر سے باہر چلا جائے تو افطار کر سکتا ہے۔ اگر ہوائی اڈہ شہر سے باہر ہو تو وہاں سے روزہ چھوڑ سکتا ہے۔ اگر ہوائی اڈہ شہر میں یا شہر سے ملحق ہو تو افطار نہ کرے، کیونکہ وہ ابھی شہر ہی میں ہے۔

⑮ زمین پر سورج غروب ہونے کے بعد اگر افطار کر لیا، پھر جہاز پرواز کرنے کے بعد سورج نظر آئے تو اس پر کسی چیز سے اجتناب کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اس نے پورے دن کا روزہ مکمل کر لیا، اس لئے کہ کوئی عبادت مکمل کر لینے کے بعد اس کا اِعادہ نہیں ہے۔

اور اگر غروبِ آفتاب سے پہلے جہاز اُڑا اور سفر میں اپنے اس روزے کے مکمل کرنے کی نیت رکھتا ہو تو فضا میں جس جگہ وہ ہے جب تک سورج غروب نہ ہو جائے، افطار نہ کرے اور پائلٹ کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ افطار کی غرض سے جہاز اتنا نیچا کر کے لے جائے جہاں سے سورج نظر نہ آئے کیونکہ یہ حیلہ ہے۔ البتہ اُڑان کی مصلحت کے پیش نظر ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں سورج چھپ جائے تو افطار کر سکتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

⑯ جو شخص کسی شہر میں پہنچ جائے اور وہاں چار دن سے زیادہ رکنے کی نیت رکھے تو جمہور علما کے نزدیک روزہ رکھنا ضروری ہے، اس لئے جو شخص تعلیم وغیرہ کے لئے سفر کرتا ہے جہاں پہنچ کر وہ کئی ماہ یا کئی سال قیام کرے گا تو جمہور علماؒ اور ائمہ اربعہؒ کے نزدیک وہ مقیم کے حکم میں ہے، وہ مکمل نماز پڑھے گا اور روزہ بھی رکھے گا۔

اگر مسافر اپنے شہر کے علاوہ کسی دوسرے شہر سے گزرے تو اس پر روزہ رکھنا ضروری نہیں مگر یہ کہ وہ وہاں چار دن☆ سے زیادہ رکنے کی نیت رکھتا ہو تو ایسی صورت میں وہ مقیم کے حکم میں ہوگا۔ (فتاویٰ الدعوۃ از شیخ ابن بازؒ: رقم ۹۷۷)

⑰ اگر کسی نے حالتِ اقامت میں روزہ شروع کیا پھر دن کے کسی وقت وہ سفر پر نکل گیا تو وہ روزہ توڑ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق سفر کو روزہ چھوڑنے کی رخصت کا سبب قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''اور جو بیمار ہو یا مسافر تو اسے دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرنی چاہئے۔''

⑱ جس شخص کی عادت ہی سفر ہو (یعنی مسلسل سفر میں رہتا ہو) جیسے ڈاک کا منشی جو مسلمانوں کی خدمت میں لگا رہتا ہے، یا ٹیکسی ڈرائیور، جہاز کا پائلٹ، اور جہاز میں نوکری کرنے والا تو اُنہیں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، خواہ ان کا سفر دن بھر کا ہی رہتا ہو، ہاں ان پر قضا ضروری ہے اور یہی حکم ملاح کا بھی ہے جس کی خشکی پر کوئی قیام گاہ ہو۔

⑲ دن میں مسافر اگر اپنے گھر پہنچ جائے تو کیا وہ بقیہ دن روزہ کی طرح گزارے گا یا نہیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے مگر بہتر ہے کہ وہ اس مبارک مہینے کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے کھانے پینے سے رکا رہے، مگر اس پر قضا ضروری ہے خواہ وہ کھانے پینے سے رُکے یا نہ رُکے۔

⑳ کسی ملک میں روزہ شروع کرے پھر دوسرے ملک سفر کر جائے، جہاں لوگوں نے اس سے پہلے یا بعد میں روزہ شروع کیا ہو تو اس پر اُنہی لوگوں کا حکم منطبق ہوگا جن کے پاس اس نے سفر کیا ہے۔ انہی لوگوں کے ساتھ روزہ چھوڑے، اگرچہ تیس سے زائد◉ ہی کیوں نہ ہو

☆ صحیح بات یہ ہے کہ مدتِ سفر جس میں قصر وافطار جائز ہے ۱۹ دن ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری: ۱۰۸۰

www.KitaboSunnat.com

جائے، اس لئے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس دن تم سب لوگ روزہ رکھو، وہ روزہ کا دن ہے اور جس دن تم روزہ چھوڑ دو، وہی افطار کا دن ہوگا۔''

اور اگر اس کے روزے اُنتیس سے کم ہوں تو اسے عید کے بعد اُنتیس روزے مکمل کرنے چاہئیں، کیونکہ ہجری ماہ اُنتیس دن سے کم نہیں ہوتا☆

مرض کی بنا پر روزہ رکھنا یا چھوڑنا

㉑ ہر وہ مرض جس کی وجہ سے انسان مریض سمجھا جائے، اس کی وجہ سے وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''اور جو بیمار ہو یا مسافر تو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے۔''

معمولی عوارض جیسے کھانسی یا سر درد کی وجہ سے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ اگر طبی طور سے ثابت ہو یا عادت اور تجربہ سے آدمی کو معلوم ہو یا گمان غالب ہو کہ روزہ سے نقصان ہوگا یا مرض میں زیادتی ہوگی یا شفا میں تاخیر ہوگی تو ایسے شخص کے لئے روزہ چھوڑنا جائز ہے بلکہ اس کے لئے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ مریض کے لئے روزہ کی نیت کرنا جائز نہیں۔

㉒ کسی شخص کے لئے روزہ اگر غشی کا سبب بنتا ہو تو اس کے لئے افطار کرنا جائز ہے مگر بعد میں اس پر قضا ضروری ہے۔ دن کے کسی حصہ میں اگر اس پر بے ہوشی طاری ہوجائے، پھر غروبِ آفتاب سے پہلے یا اس کے بعد اسے افاقہ ہوجائے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، کیونکہ اس نے روزہ کی حالت میں صبح کی تھی، لیکن اگر فجر سے لے کر مغرب تک بے ہوشی طاری رہے تو جمہور علما کا خیال ہے کہ اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا۔

جہاں تک ایسے شخص کے روزوں کی قضا کا معاملہ ہے تو اکثر علما کے نزدیک واجب ہے، خواہ بے ہوشی کی مدت کتنی طویل ہی کیوں نہ ہو، اور بعض علما کا فتویٰ ہے کہ جس پر بے ہوشی طاری ہوجائے یا عقل کھو جائے، یا کسی مصلحت کے پیش نظر سکون یا خواب آور دوا دی گئی ہو

◉ تیس روزے پورے ہونے پر مزید روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مترجم

☆ فتاویٰ ابن باز، فتاویٰ الصیام: ص۱۵، ۱۶.....طبع دارالوطن، ریاض

www.KitaboSunnat.com

جس سے ہوش وحواس ختم ہوگئے ہوں تو اگر یہ صورت حال تین دن یا اس سے کم رہے تو وہ سونے والے پر قیاس کرتے ہوئے روزے کی قضا کرے گا، اور اگر یہ مدت اس سے زیادہ ہو تو پاگل پر قیاس کرتے ہوئے روزوں کی قضا نہیں۔

㉓ جس شخص کو شدید بھوک یا پیاس لاحق ہوجائے جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو، یا غالب گمان کے مطابق بعض حواس ضائع ہونے کا ڈر ہو تو روزہ چھوڑ سکتا ہے بعد میں اس کی قضا دے دے کیونکہ جان کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ البتہ قابل برداشت شدت یا تھکاوٹ یا مرض کے وہم کی بنیاد پر روزہ چھوڑنا جائز نہیں، اسی طرح مشقت کا کام کرنے والوں کے لئے بھی روزہ چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ ان کے لئے رات ہی سے روزے کی نیت کرنا ضروری ہے، روزہ کی حالت میں کام چھوڑنے سے نقصان ہو یا دن کے کسی وقت میں جسمانی نقصان کا ڈر ہو تو روزہ چھوڑ دیں اور بعد میں قضا کریں۔ طالب علم کے لئے امتحانات روزہ چھوڑنے کے لئے عذر نہیں ہیں۔

㉔ جس مریض کو شفا کی اُمید ہو وہ روزہ چھوڑ دے اور شفا کا انتظار کرے اور بعد میں قضا کرے، کھانا کھلانا کافی نہیں ہے۔ البتہ ایسا مریض جسے شفا کی اُمید نہ ہو، اسی طرح عمر رسیدہ شخص جو روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو، ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے، یا آدھا صاع اناج دے جو عام طور پر اس شہر کی خوراک ہو (یعنی تقریباً ڈیڑھ کلو اناج) اس فدیہ کو آخر ماہ میں جمع بھی کرسکتا ہے۔ ایک ساتھ تیس مسکینوں کو کھانا کھلا دے، اسی طرح روزانہ ایک مسکین کو بھی کھلا سکتا ہے۔

وہ مریض جس نے روزہ چھوڑا اور اس کی قضا کے لئے شفا کی اُمید لگائے ہوئے ہے، پھر پتہ چلا کہ یہ مرض دائمی ہے تو اس پر واجب ہے کہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے، اور جو مریض شفا کے انتظار میں ہو، پھر انتقال ہوجائے تو اس پر یا اس کے اَولیا پر کوئی چیز نہیں۔

㉕ اگر کوئی ایسا شخص ہو جو مریض تھا، پھر شفایاب ہوگیا اور قضا کی طاقت رکھتے ہوئے بھی قضا نہیں کیا اور اسی حالت میں اس کی موت آ گئی تو اس کے مال سے ہر دن کے بدلے ایک

www.KitaboSunnat.com

مسکین کو کھانا کھلایا جائے گا، اور اگر کوئی رشتہ دار اس کی طرف سے روزہ رکھنا چاہے تو جائز ہے۔ کیونکہ صحیحین کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«من مات وعليه صيام صام عنه وليه»

''جو شخص فوت ہوجائے اور اس پر روزے فرض باقی رہ گئے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے گا۔'' (فتاویٰ اللجنة الدائمة، مجلة الدعوة عدد ۸۰۶)

عمر رسیدہ، عاجز اور بہت زیادہ بوڑھا شخص

㉖ عمر رسیدہ بڑھیا اور بہت زیادہ بوڑھا مرد جس کی قوت ختم ہوچکی ہو اور روز بہ روز مزید کمی واقع ہورہی ہو، ان پر روزہ رکھنا ضروری نہیں۔ اگر روزہ ان کے لئے مشکل ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتے ہیں۔ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ (البقرہ:۱۸۴)

''اور اُس کی طاقت رکھنے والے فدیہ کے طور پر ایک مسکین کو کھانا دیں۔''

کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ بوڑھے مرد اور عورتیں ہیں جو روزہ نہیں رکھ سکتے تو وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ اور جو شخص اتنا بوڑھا ہوچکا ہو کہ اس کے حواس بحال نہ رہے ہوں تو اس پر یا اس کے اہل خانہ پر کوئی چیز بھی واجب نہیں، کیونکہ وہ اب مکلّف نہیں۔ اور اگر کبھی اچھے بُرے کی تمیز ہو اور کبھی ہذیان بکنے لگے تو حالتِ تمیز میں تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہے، لیکن حالتِ ہذیان میں نہیں۔ (مجالس شہر رمضان لابن عثیمین ص ۲۸)

㉗ دشمن سے لڑائی ہو، یا دشمن کے شہر کا محاصرہ ہو اور روزہ قتال میں کمزوری کا سبب بن رہا ہو تو ایسی صورت میں بغیر سفر کے بھی افطار جائز ہے، اسی طرح اگر قتال سے پہلے افطار کی ضرورت محسوس ہو تو روزہ توڑ سکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ سے لڑائی شروع ہونے سے پہلے فرمایا: «انكم مصبحوا عدوكم والفطر أقوى لكم فافطروا»

''تم لوگ صبح کو دشمن سے ملاقات کرنے والے ہو، اور افطار تمہارے لئے باعثِ تقویت ہے لہٰذا روزہ توڑ دو۔'' (صحیح مسلم:۱۱۲۰)

㉘ جس شخص کے روزہ توڑنے کا سبب ظاہر ہو جیسے مریض تو وہ کھلے طور پر افطار کرسکتا

www.KitaboSunnat.com

ہے، اور جس کے روزہ چھوڑنے کا سبب پوشیدہ ہو جیسے حیض تو بہتر ہے کہ وہ پوشیدہ طور پر ہی روزہ چھوڑے، کھلے طور پر نہ کھائے پیئے، تاکہ اس پر کسی قسم کی تہمت نہ آسکے۔

روزہ کی نیت

㉙ ہر واجب روزہ میں نیت ضروری ہے جیسے قضا یا کفارہ کے روزے۔ حدیث میں ہے:☆

«من لم يبيت الصيام من الليل فلا صيام له» (سنن نسائی:۲۳۳۳)

''اس شخص کا روزہ نہیں جس نے رات ہی سے روزہ کی نیت نہ کی ہو۔''

رات میں کسی بھی وقت نیت کی جاسکتی ہے خواہ فجر سے ایک منٹ پہلے ہی کیوں نہ ہو۔ نیت کسی کام کے کرنے کے لئے دل کے عزم کا نام ہے، نیت کا زبان سے کہنا بدعت ہے۔

جسے علم ہو کہ کل رمضان ہے اور اس نے روزہ کا ارادہ کرلیا تو یہ اس کی نیت ہوگئی، اور جس نے دن میں روزہ چھوڑنے کی نیت کی اور روزہ نہ چھوڑا، تو راجح قول کے مطابق اس کا روزہ صحیح ہے، جیسے کسی نے نماز میں بات کرنے کا ارادہ کیا اور بات نہیں کی۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ صرف روزہ توڑنے کی نیت کی بنیاد پر ہی وہ مُفْطر مانا جائے گا لہٰذا اس روزہ کی قضا کرلے تو بہتر ہے۔ مرتد ہوجانے سے نیت باطل ہوجاتی ہے اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔

رمضان میں روزے رکھنے والا روزانہ تجدیدِ نیت کا پابند نہیں، بلکہ مہینہ کے شروع میں نیت کرلے تو کافی ہے۔ سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ کی نیت چھوڑ کر افطار کرلے، تو پھر عذر ختم ہوجانے کے بعد تجدیدِ نیت ضروری ہے۔

㉚ مطلق نفلی روزہ کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے، حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے، فرماتی ہیں: دخل علي رسول الله ﷺ ذات يوم فقال: «هل عندكم شيء؟» فقلنا: لا ، قال: «فإني إذًا صائم» (صحیح مسلم:۱۱۵۴، مسند احمد:۶/۲۰۷)

''ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ ایک روز تشریف لائے اور فرمایا: کیا کھانے کے لئے کوئی چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: پھر میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔''

اگر کوئی خاص نفلی روزہ جیسے عرفہ یا عاشورا کا روزہ ہو تو رات ہی سے نیت کرلینا بہتر ہے۔

☆ امام بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

㉛ جس شخص نے واجب روزہ رکھا جیسے قضا، نذر یا کفارہ کا روزہ تو اسے چاہئے کہ اسے پورا کرے۔ بغیر عذر کے روزہ توڑنا جائز نہیں البتہ نفلی روزے کے بارے میں حکم رسولؐ ہے:

«الصائم المتطوع أمير نفسه إن شاء صام وإن شاء أفطر»(مسند احمد:۶/۳۴۱)

''نفلی روزہ رکھنے والے والا خود مختار ہے، چاہے تو پورا کرے یا روزہ توڑ دے۔''

خواہ یہ عمل بلا عذر ہی ہو، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن بغیر عذر روزہ توڑنے والے کو کیا اس کے روزہ کی حالت میں گزرے ہوئے اوقات کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اس سلسلے میں بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اسے ثواب نہیں ملے گا، البتہ نفلی روزہ رکھنے والے کے لئے جب تک روز چھوڑنے کی کوئی شرعی مصلحت نہ ہو تو روزہ مکمل کر لینا افضل ہے۔

㉜ اگر کسی شخص کو طلوعِ فجر کے بعد رمضان داخل ہونے کا علم ہوا ہو تو ایسے شخص کو چاہئے کہ بقیہ دن کھانے پینے سے رُکا رہے، اور جمہور علما کے نزدیک اس کے بدلے ایک دن کی قضا کرے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«من لم يبيت الصيام من الليل فلا صيام له» (سنن نسائی:۲۳۳۳)

''اس شخص کا روزہ نہیں جس نے رات ہی سے نیت نہ کیا ہو۔''

㉝ قیدی شخص نے اگر خود رمضان کا چاند دیکھا ہو یا کسی قابل اعتماد شخص کی خبر سے رمضان کے داخل ہونے کا علم ہوا ہو تو اس پر روزہ رکھنا واجب ہے، ورنہ وہ بذاتِ خود اجتہاد کرے گا اور اپنے غالب گمان کے مطابق عمل کرے گا۔ بعد میں اگر اسے معلوم ہوا کہ اس کا روزہ رمضان کے موافق ہے تو جمہور علما کے نزدیک اس کے لئے یہ کافی ہوگا، اور اگر اس کا روزہ رمضان کی ابتدا کے بعد پڑ گیا، تب بھی جمہور فقہاء کے نزدیک کافی ہوگا۔ اور اگر رمضان کی شروعات سے پہلے اس کا روزہ پڑ گیا تو کافی نہیں ہوگا بلکہ اس پر (اتنے دنوں کی) قضا واجب ہوگی۔ اگر قیدی شخص کے بعض روزے رمضان کے موافق ہوئے اور بعض نہیں تو جو رمضان یا اس کے بعد شوال کے موافق ہوں گے، وہ کافی ہوں گے، لیکن جو رمضان سے پہلے ہوں گے، وہ کافی نہ ہوں گے اور اگر یہ اشکال مسلسل باقی رہے اور معاملہ کی وضاحت نہ ہو سکے تو اس کے روزے کفایت کر جائیں گے، کیونکہ اس نے معلومات کے لئے بھرپور کوشش کی ہے اور اللہ

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ ہر شخص کو اس کی طاقت کے مطابق ہی پابند کرتا ہے۔

اِفطار اور اِمساک

㉞ جب سورج پوری طرح غائب ہوجائے تو افطار کیا جائے۔ اُفق میں باقی گہری سرخی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إذا أقبل الليل من هٰهنا وأدبر النهار من هٰهنا . . . فقد أفطر الصائم»

''جب رات مشرق سے نمودار ہونے لگے اور دن مغرب میں چھپ جائے تو روزہ دار افطار کرلے گا'' (صحیح بخاری:۱۹۵۴)

اِفطار میں جلدی کرنا سنت ہے۔ نبی ﷺ افطار کے بعد ہی مغرب کی نماز پڑھتے تھے، خواہ پانی کے چند گھونٹ ہی اِفطار کے لئے ملیں۔ اگر روزہ دار افطار کے لئے کوئی چیز نہ پائے تو دل سے ہی افطار کی نیت کرلے اور اپنی اُنگلی نہ چوسے جیسا کہ بعض عوام کرتے ہیں۔ وقت سے پہلے افطار سے بچنا چاہئے، کیونکہ نبی ﷺ نے بعض لوگوں کو دیکھا جو اُلٹے لٹکے ہوئے تھے اور اُن کے جبڑوں سے خون بہہ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو وقت سے پہلے افطار کرلیا کرتے تھے۔

㉟ جب فجر طلوع ہوجائے (فجر سے مراد مشرق کی طرف سے اُفق میں پھیلنے والی سفیدی ہے) تو روزہ دار کو فوراً کھانے پینے سے رُک جانا ضروری ہے۔ اذان سنے یا نہ سنے، اور اگر یہ معلوم ہو کہ مؤذّن طلوعِ فجر کے وقت ہی اذان دیتا ہے تو اذان کے ساتھ ہی کھانے پینے سے رُک جانا ضروری ہے، لیکن اگر مؤذن فجر سے پہلے اذان دیتا ہو تو کھانے پینے سے رکنا ضروری نہیں۔ اور اگر مؤذن کی حالت کا علم نہ ہو، یا کئی مؤذنوں کے درمیان اختلاف ہو جائے اور خود طلوعِ فجر کا اندازہ نہ لگا سکے (جیسا کہ عام طور پر شہروں میں اونچی بلڈنگوں اور روشنی کے سبب ہوتا ہے) تو ایسی صورت میں احتیاطی طور پر کسی معتمد کیلنڈر یا جنتری وغیرہ پر عمل کرے۔

طلوعِ فجر سے دس پندرہ منٹ پہلے بطورِ احتیاط کھانے پینے سے رُک جانا بدعت ہے، بعض جنتریوں میں فجر اور سحری کا جو الگ الگ وقت دیا جاتا ہے، وہ شریعت کے منافی ہے۔

㊱ وہ ملک جہاں رات اور دن چوبیس گھنٹے کے ہوتے ہیں، اگر وہاں رات اور دن کا امتیاز

www.KitaboSunnat.com

ممکن ہوتو مسلمانوں پر روزہ رکھنا ضروری ہے۔اور وہ ممالک جہاں رات دن کی تمیز ممکن نہ ہو تو وہ اپنے پڑوسی ممالک کے اعتبار سے روزہ رکھیں گے، جہاں رات اور دن کی تمیز ہوسکتی ہے۔

روزہ توڑنے والی چیزیں

㊲ حیض و نفاس کے علاوہ روزہ توڑنے والی چیزوں سے تین شرطوں کی بنا پر روزہ توڑا جاسکتا ہے:

۱) اس کا علم ہو۔

۲) اسے یاد ہو، بھولا نہ ہو۔

۳) اپنے اختیار سے کیا ہو، اس پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔

روزہ توڑنے والی بعض چیزیں آدمی کے جسم سے باہر آنے والی اور بعض باہر سے اندر جانے والی ہوتی ہیں، جو یہ ہیں: جماع کرنا، عمداً قے کرنا، حیض، پچھنا لگوانا، کھانا اور پینا

㊳ بعض روزہ توڑنے والی چیزیں کھانے پینے کے حکم میں ہیں، جیسے منہ کے ذریعہ دوائیں اور گولیاں وغیرہ کھانا، غذائی انجکشن لینا، اسی طرح خون چڑھانا یا منتقل کرنا۔

ایسے انجکشن جو کھانے پینے کا بدل نہ بن سکتے ہوں بلکہ علاج کے طور پر ہوں جیسے پنسلین، انسولین یا نشاط آور دوائیں یا کوئی ٹیکہ ہوتو اس کا روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا خواہ وہ پٹھے (انٹرا مسکولر) پر لگائے جائیں یا رگوں میں (انٹرا وینس) مگر بہتر یہ ہے کہ ایسے انجکشن بھی رات ہی میں لئے جائیں۔

گردوں کی صفائی کے لئے خون نکال کر پھر دوبارہ اسے اپنی جگہ پر لوٹانے (ڈیالسز) سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حقنہ لگانا (انیما) صحیح بات یہ ہے کہ آنکھ یا ناک میں دوا ڈالنے، دانت نکالنے اور زخموں پر مرہم لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔تنفس کے لئے استعمال کئے جانے والے اسپرے سے بھی روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ صرف گیس ہے جو پھیپھڑے تک جاتی ہے، غذا نہیں ہے۔ اور وہ شخص رمضان ہو یا غیر رمضان ہمیشہ اس کا محتاج ہے۔ٹیسٹ کے لئے خون نکالنے سے بھی روزہ پر اثر نہیں پڑتا، کیونکہ یہ ضرورت کی چیز ہے۔ (فتاویٰ الدعوۃ لابن بازؒ: رقم ۹۷۹) غرغرہ کی دوا کے استعمال سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ پیٹ میں نہ جائے، اسی طرح

www.KitaboSunnat.com

دانت میں کوئی دوا بھرنے سے جس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو، روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

㊴ جس نے جان بوجھ کر روزہ میں بلا عذر کھا پی لیا، اس نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا، اس پر توبہ اور اِس روزے کی قضا واجب ہے۔ اور اگر اس نے کسی حرام چیز سے روزہ توڑا ہو، جیسے کوئی نشہ آور چیز تو اس کا یہ عمل حد درجہ قبیح ترین ہے۔ ایسے شخص پر توبہ واجب ہے۔ اسے کثرت سے نفلی نماز اور روزے وغیرہ کی ادائیگی کرنی چاہئے تاکہ فریضہ کی کمی پوری ہوسکے اور ممکن ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلے۔

㊵ ''اگر کوئی بھول کر کھا پی لے تو اسے چاہئے کہ روزہ پورا کرے کیونکہ اللہ نے اسے کھلایا اور پلایا ہے۔'' (صحیح بخاری: ۱۹۳۳) ایک روایت میں ہے: ''اس پر کوئی قضا ہے نہ کفارہ۔'' (فتح الباری: ۱۵۶/۴) اگر کسی کو بھول کر کھاتے پیتے دیکھ لے تو اسے یاد دلائے کیونکہ اللہ کا ارشاد: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ ''نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا تعاون کرو'' اور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد بھی عام ہے: «فإذا نسيتُ فذكِّرُوني» ''اگر میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلاؤ۔'' (صحیح مسلم: ۵۷۱) اور درحقیقت بھولنا ایک ناروا عمل ہے جس کی اصلاح ضروری ہے۔

㊶ اگر کسی کی جان بچانے کے لئے روزہ توڑنے کی ضرورت پڑے تو روزہ توڑا جاسکتا ہے، مگر قضا واجب ہوگی جیسے ڈوبنے یا جلنے والوں کو بچانا۔

㊷ جس پر روزہ فرض ہو اور وہ جان بوجھ کر اپنے اختیار سے دن میں جماع کرلے تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ وہ دن بغیر کھائے پیئے گزارے اور اس پر توبہ، قضا اور کفارہ مغلظہ ضروری ہے، جیسا کہ ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے:

بينما نحن جلوس عند النبي ﷺ إذا جاءه رجل فقال: يا رسول الله هلكت، قال: «ما لك؟» قال: وقعتُ على امرأتي وأنا صائم، فقال رسول الله ﷺ: «هل تجد رقبة تعتقها؟» قال لا، قال: «فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين» قال: لا، قال: «فهل تجد إطعام ستين مسكينا؟» قال لا..... الحديث» (صحیح بخاری: ۱۹۳۶)

www.KitaboSunnat.com

''ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ میں ہلاک ہوگیا، آپؐ نے کہا: کیا ہوگیا تمہیں؟ اس نے کہا: میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرلیا، آپ نے کہا: کیا تم غلام آزاد کرسکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپؐ نے کہا: کیا تم مسلسل دو ماہ روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، آپؐ نے کہا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں..... الحدیث''

علاوہ ازیں، زنا کاری، لواطت اور جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے کا بھی یہی حکم ہے۔

㊸ اگر کسی نے اپنی بیوی کے ساتھ رمضان میں جماع کا ارادہ کیا اور پہلے کوئی چیز کھا پی کر اِفطار کرلیا تو اس کا جرم مزید سخت ہے، کیونکہ اس نے رمضان کی حرمت کی دو مرتبہ پامالی کی، ایک مرتبہ کھانا کھا کر، دوسری مرتبہ جماع کرکے، کفارۂ مغلظہ اس پر اور زیادہ ضروری ہے، اس کا یہ حیلہ اس کے لئے وبالِ جان ہے اور اس پر خلوصِ دل سے توبہ ضروری ہے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۶۲/۲۵)

㊹ روزہ دار کا اپنی بیوی یا لونڈی کا بوسہ لینا، جسم سے جسم ملانا، گلے ملنا، چھونا اور بار بار دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ اپنے نفس پر قابو ہو۔ صحیحین میں عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے اور جسم سے جسم ملاتے تھے، لیکن وہ تم سے زیادہ اپنے آپ پر قابو رکھنے والے تھے۔'' (صحیح بخاری: ۱۹۲۷، صحیح مسلم: ۱۱۰۶) لیکن اگر کوئی شخص تیز شہوت والا ہو، اپنے آپ پر قابو نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے روزہ فاسد ہونے کی نوبت آسکتی ہے، اور جماع کا وقوع یا اِنزال وغیرہ ہوسکتا ہے، شریعت کا قاعدہ یہ ہے:

''جو چیز حرام کا ذریعہ ہو، وہ بھی حرام ہے۔''

㊺ اگر کسی نے جماع شروع کیا اور فجر طلوع ہوگئی، تو اس پر بیوی سے الگ ہوجانا ضروری ہے، اس کا روزہ صحیح ہے خواہ بیوی سے الگ ہونے کے بعد منی کیوں نہ خارج ہو، اور اگر طلوعِ فجر کے بعد بھی جماع میں لگا رہا تو وہ مُفطر (روزہ توڑنے والا) شمار ہوگا، اس پر توبہ، روزہ کی قضا اور کفارۂ مغلظہ واجب ہے۔

㊻ جنابت کی حالت میں صبح کرنے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ غسل جنابت، حیض اور

www.KitaboSunnat.com

نفاس کا غسل طلوعِ فجر (صادق) کے بعد تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، مگر نماز کی خاطر جلدی کرنی چاہئے۔

㊼ اگر روزہ دار کو نیند کی حالت میں احتلام ہوجائے تو روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، ایسا شخص اپنا روزہ مکمل کرلے۔ اس بات پر سب کا اجماع واتفاق ہے۔

㊽ اگر کسی نے روزہ کی حالت میں جان بوجھ کر کسی ایسے طریقے سے منی نکالی ہو جس سے اجتناب ممکن تھا، جیسے چھونے یا بار بار دیکھنے کی وجہ سے تو اس پر توبہ ضروری ہے۔ وہ بقیہ دن کھانے پینے سے رُکا رہے اور بعد میں اس روزے کی قضا کرے۔ اگر ہاتھ رگڑنا شروع کیا لیکن خروجِ منی سے پہلے باز آ گیا تو اس پر صرف توبہ ضروری ہے، روزہ کی قضا نہیں۔ روزہ دار کو شہوت اُبھارنے والی ہر چیز سے دور رہنا چاہئے، اور گندے خیالات کو دل سے دور رکھنا چاہئے، البتہ خروجِ مذی کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

㊾ اگر کسی شخص کو خود بخود قے ہوجائے تو اس پر قضا نہیں، اور جس نے عمداً قے کی، وہ قضا دے گا۔ جس نے جان بوجھ کر منہ میں اُنگلی ڈال کر یا پیٹ دبا دبا کر، یا ناپسندیدہ بُو سونگھ کر یا کسی ایسی چیز کو لگاتار دیکھ کر جس سے اس کو قے آجاتی ہے، قے کردی تو اس پر قضا واجب ہے اور اگر قے کا غلبہ ہوا مگر کچھ باہر آئے بغیر اندر واپس چلا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس میں اس کے ارادہ کا دخل نہیں، اور اگر دوبارہ اُس نے خود سے باہر کیا تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

اور اگر معدہ سے اُبکائی اٹھے تو اس پر قے کا روکنا ضروری نہیں، کیونکہ یہ اس کے لئے مضر ہوسکتا ہے۔ دانتوں کے درمیان کوئی معمولی سی چیز پھنسی ہوئی تھی، جس کی تمیز نہ ہوسکی اور اس کو نگل لیا تو وہ تھوک کے تابع ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر زیادہ ہو جس کا تھوکنا ممکن ہو تو اگر تھوک دیا تو اس پر کوئی چیز نہیں اور جان بوجھ کر نگل لیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔

کُلّی کے بعد منہ میں جو تری ہوتی ہے، اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اس سے بچنا ناممکن ہے۔ اگر مسوڑھے میں زخم ہو یا مسواک کی وجہ سے خون نکل آئے تو اس کا نگلنا جائز نہیں۔ بلکہ تھوک دینا ضروری ہے، ہاں اگر حلق میں بلا قصد وارادہ چلا جائے تو کوئی قباحت نہیں۔

کھانسی یا کسی اور سبب سے نکلے ہوئے بلغم کو منہ تک پہنچنے سے پہلے اگر نگل لیا تو روزہ

www.KitaboSunnat.com

فاسد نہیں ہوگا، کیونکہ ایسا عام طور پر ہوتا ہے۔لیکن اگر منہ میں آ جانے کے بعد نگل لیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا، اگر بلا قصد اندر چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ بلا ضرورت کھانا چکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے روزہ فاسد ہونے کا خطرہ ہے، بطورِ ضرورت جیسے بچے کو کھلانے کے لئے لقمہ چبانا جبکہ اس کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہ ہو، یا خریدنے کے وقت اور پکاتے وقت ذائقہ چکھنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے فرمایا:

''سرکہ وغیرہ خریدنے کے وقت چکھنے میں کوئی حرج نہیں۔''

㊿ روزہ دار کے لئے دن کے کسی بھی حصے میں مسواک کرنا سنت ہے خواہ مسواک تازہ ہی کیوں نہ ہو۔ روزہ کی حالت میں مسواک کرنے سے تلخی یا کوئی لذت محسوس ہوئی اور اسے نگل لیا، یا مسواک منہ سے نکالنے کے بعد دوبارہ کرنا شروع کیا اور اس پر لگا ہوا تھوک نگل لیا تو روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ (المغنی لابن قدامہ:۱۰۶/۳)

روزہ دار کو کسی قسم کا زخم رنکسیر لاحق ہوجائے یا پانی یا پٹرول بلا ارادہ حلق میں چلا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔اسی طرح اگر پیٹ میں غبار یا دھواں یا مکھی بلا قصد وارادہ دخل ہوجائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

حلق میں آنسو اُترنے، سر میں تیل، مہندی لگانے سے جس کا مزہ حلق میں محسوس ہو اور سرمہ وکریم وغیرہ لگانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اسی طرح عطر اور عود کی خوشبو سونگھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن دھواں حلق میں پہنچنے سے بچنا چاہئے۔ دن میں ٹوتھ پیسٹ نہ ہی استعمال کرے تو بہتر ہے کیونکہ اس کی تاثیر قوی ہوتی ہے۔(المغنی:۳۳/۳)

(۵۱) پچھنا لگوانے کے سلسلے میں بڑا اختلاف ہے، لہٰذا بہتر ہے کہ روزہ دار پچھنا نہ لگوائے۔

(۵۲) سگریٹ نوشی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر روزہ چھوڑنے کے لئے وہ عذر نہیں ہے، اللہ کی معصیت عذر کیسے ہوسکتی ہے؟

(۵۳) پانی میں ڈبکی (غوطہ) لگانا، یا تر کپڑے کو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے لپیٹنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، گرمی یا پیاس کی وجہ سے سر پر پانی ڈالنے میں کوئی حرج نہیں☆ تیرا کی سے

☆ فتح الباری:۱۳۵/۴..... شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا بھی یہی خیال ہے۔ دیکھئے فتاویٰ:۲۶۳/۲۹

www.KitaboSunnat.com

پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اس سے روزہ فاسد ہوسکتا ہے۔ جس شخص کا کام غوطہ خوری ہو، یا اسکا کام بغیر غوطہ لگائے نہ چل سکے اور پانی اندر جانے کا امکان نہ ہو تو کوئی قباحت نہیں ہے۔

۵۴ رات کے باقی ہونے کا گمان ہو، اسی حالت میں کھایا پیا اور جماع کیا، پھر پتہ چلا کہ صبح ہوچکی ہے تو روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ قرآن کریم کی آیت: ﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ... الاية﴾ معلوم ہونے تک کھانے وغیرہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے، عبدالرزاق نے ابن عباسؓ سے صحیح سند سے روایت ذکر کی ہے، اُنہوں نے کہا:

«أحل الله لك الأكل والشرب ما شككت» (فتح الباری:۴/۱۴۸)

''اللہ نے تمہارے لئے کھانا پینا حلال کیا جب تک تم شک میں رہو۔''

۵۵ اگر فجر طلوع ہونے کے وقت کسی کے منہ میں کھانا یا پانی ہو تو فقہا کا اتفاق ہے کہ اسے تھوک دے اور اس کا روزہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح بھول کر کھانے پینے والے کا بھی حکم ہے اس کا روزہ بھی صحیح ہے بشرطیکہ یاد آنے پر جو کچھ اُس کے منہ میں ہے تو فوراً تھوک دے۔

عورت کے لئے روزے کے احکام

۵۶ جو لڑکی بالغ ہوجائے مگر حیا کی وجہ سے اظہار نہ کرسکے اور روزہ چھوڑتی رہے تو اس پر توبہ اور چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا لازم ہے، اور اگر دوسرا رمضان آنے سے پہلے قضا نہیں دی تو قضا کے ساتھ ہی ہر دن کے بدلے میں مسکین کو بطورِ کفارہ کھانا کھلائے۔ یہی حکم اس لڑکی کا بھی ہے جو اپنے حیض کے ایام میں شرم کی وجہ سے روزہ رکھتی گئی ہو اور بعد میں قضا نہ کیا ہو۔

۵۷ شوہر کی موجودگی میں عورت رمضان کے علاوہ دوسرے روزے بغیر اس کی اجازت کے نہیں رکھ سکتی، ہاں اگر شوہر سفر پر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

۵۸ حائضہ اگر پاکی دیکھے (یعنی وہ سفید رطوبت جو حیض ختم ہونے پر رحم سے باہر نکلتی ہے) جس سے عورت کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اب وہ پاک ہوچکی ہے تو رات ہی سے روزے کی نیت کرے اور روزہ رکھے، اور اگر پاکی کا اندازہ نہ ہو تو روئی اندر لگا کر دیکھے، اگر صاف رہی تو روزہ

www.KitaboSunnat.com

رکھے لے اور اگر حیض کا خون دوبارہ آ جائے تو روزہ توڑ دے۔ اگر کسی عورت نے رات سے روزہ رکھا ہو اور مغرب ہونے تک خون نہ آیا ہو تو اس کا روزہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح جس عورت نے خون آنے کا احساس کیا ہو، لیکن خون مغرب کے بعد ہی باہر نکلا تو اس دن کا روزہ صحیح سمجھا جائے گا۔

حائضہ اور نفاس والی عورت کا خون اگر رات کو ہی ختم ہوگیا اور اس نے رات ہی میں روزہ کی نیت کر لی لیکن غسل فجر کے بعد کیا تو متفقہ طور پر تمام علما کے نزدیک اس کا روزہ صحیح ہوگا۔

(۵۹) جس عورت کو معلوم ہو کہ اس کی ماہواری کل سے شروع ہوگی پھر بھی وہ نیت کرے اور روزہ رکھے۔ اور جب تک خون نہ آ جائے روزہ نہ چھوڑے۔

(۶۰) بہتر یہ ہے کہ حائضہ عورت اپنی فطرت پر باقی رہے، اور اللہ نے اس کے لئے جو مقدر کیا ہے، اس پر راضی رہے۔ خون روکنے والی دوائیں استعمال نہ کرے، حالتِ حیض میں روزہ چھوڑ دے اور پھر قضا کرے، اسی طرح اُمہات المؤمنین اور سلف کی بیویاں کیا کرتی تھیں لیکن اگر اس نے کوئی چیز استعمال کی جس سے خون رک گیا تو روزہ رکھ سکتی ہے اور اس کا یہ روزہ صحیح ہوگا۔

(۶۱) اگر عورت کا حمل بچے کی شکل وصورت کی تخلیق شروع ہونے کے بعد ساقط ہوجائے، مثلاً اعضاء کی بناوٹ، سر، ہاتھ وغیرہ ظاہر ہو رہے ہوں تو وہ نفاس والی مانی جائے گی۔ ایسی عورت روزہ نہ رکھے بلکہ بعد میں قضا کرے، اور اگر ایسا نہ ہو تو استحاضہ شمار کیا جائے گا۔ اگر وہ عورت روزہ رکھنے کی طاقت رکھتی ہو تو روزہ رکھے۔

نفاس والی عورت اگر چالیس دن سے قبل پاک ہوجائے تو روزہ رکھے اور نماز کے لئے غسل بھی کرے، اور اگر چالیس دن کے بعد بھی خون جاری رہا تو روزہ کی نیت کرے گی اور غسل کر لے اور اس کا یہ خون استحاضہ شمار ہوگا، اور اگر اس کی عادت کے مطابق حیض کے دن پڑ جائیں تو حیض سمجھا جائے گا۔

(۶۲) استحاضہ کے خون سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۶۳) صحیح بات یہ ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو مریض پر قیاس کیا جائے گا، ان

www.KitaboSunnat.com

کے لئے روزہ چھوڑنا جائز ہے اور بعد میں ان پر صرف قضا ہے، چاہے اُنہیں اپنے لئے ضرر کا اندیشہ ہو یا بچے کے لئے، نبی ﷺ نے فرمایا: «إن الله تعالى وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلاة وعن الحامل والمُرضع الصوم»

''اللہ نے مسافر سے روزہ اور آدھی نماز معاف کردی ہے، اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں سے روزہ معاف کردیا ہے۔'' (سنن ترمذی: ۷۱۵ وقال الترمذی: حدیث حسن)

(۴۴) وہ عورت جس پر روزہ فرض ہو اگر اس کے شوہر نے اس کی رضا سے روزے کی حالت میں جماع کرلیا تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو مرد کا ہے۔ ہاں اگر شوہر نے زبردستی کی تو عورت کو حتیٰ المقدور روکنے کی کوشش کرنی چاہئے، ایسی صورت میں اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ اس دن کی قضا کرلینا، اس کے لئے بہتر ہے۔

جس عورت کو معلوم ہو کہ اس کا شوہر اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا، اسے دن میں شوہر سے دور رہنا چاہئے، اور دن میں زینت وآرائش سے پرہیز کرنا چاہئے۔

روزہ کے ان ذکر کردہ مسائل کے اختتام پر اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے ذکر وشکر اور اپنی عبادت پر ہماری مدد فرمائے، اور ماہِ رمضان کو ہمارے لئے مغفرت اور جہنم سے نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین! وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم

ضرورت مدرس

معهد القرآن والسنة کے لئے ایک مدرس کی ضرورت ہے جو درج ذیل قابلیت رکھتا ہو:

☆ کسی معروف اہلحدیث مدرسہ کی سندِ فراغت (۴ سالہ یا ۶ سالہ نصاب کے بعد)

☆ قراءات سبعہ وعشرہ اور نصابِ تجوید پر عبور ☆ حفظِ قرآن

☆ علومِ عصریہ وخطابت سے واقفیت (اضافی قابلیت)

۲۰/ اکتوبر ۲۰۰۷ء تک اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی درخواست، ذاتی کوائف اور تعلیمی اسناد کی فوٹو کاپی درج ذیل پتہ پر ارسال کریں: ☆ حسبِ قابلیت معقول پیکیج

الفوز اسلامک سنٹر: جامع مسجد اُمّ القریٰ، بلاک ایکس، ماڈل ٹاؤن، بہاولنگر

www.KitaboSunnat.com

تعلیم وتعلّم

شیخ محمد بن صالح العُثَیمین☆
ترجمہ: مولانا عبدالقوی لقمان

علم کا مصداق، اقسام اور فضائل

والدین اور طلبہ علم کے لئے ایک رہنما تحریر

لغت میں 'علم' جہالت کی ضد ہے، اور اس سے مراد 'کسی چیز کی اصل حقیقت کو مکمل طور پر پالینا' ہے۔ اصطلاح میں بعض علما کے نزدیک 'علم' سے مراد وہ معرفت ہے جو جہالت کی ضد ہے۔ جبکہ دیگر اہل علم کا کہنا ہے کہ 'علم' اس بات سے بالاتر ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ مطلب یہ کہ لفظ 'علم' خود اتنا واضح ہے کہ اس کی تعریف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

شرعی علم کی فضیلت

'علم' سے ہماری مراد وہ شرعی علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے روشن دلائل اور واضح ہدایت کی صورت میں اپنے پیغمبر ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ لہٰذا وہ علم جو قابل ستائش وتعریف ہے، وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ 'وحی کا علم' ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين» (صحیح بخاری: ۷۱، ۳۱۱۶، ۷۳۱۲)

''جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرما دیتا ہے۔''

اور اللہ کے نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے:

«إن الانبياء لم يورّثوا دينارا ولا درهما وإنما ورّثوا العلم فمن أخذه به فقد أخذ بحظ وافر» (سنن ترمذی: ۲۶۸۲)

''بے شک انبیاء علیہم السلام نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا، بلکہ اُنہوں نے تو علم (نبوت) کی وراثت چھوڑی ہے، تو جس شخص نے بھی اس (علم نبوت) کو لیا تو اُس نے گویا (دنیا و آخرت کا) وافر حصہ پالیا۔''

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے دوسروں کو اللہ عزوجل کی

☆ بیسیوں کتب کے مصنف سعودی عرب کے مایہ ناز فقیہ وعالم جن کا چند برس قبل انتقال ہوا۔

www.KitaboSunnat.com

شریعتِ طاہرہ کے علم کا ہی وارث بنایا ہے نہ کہ کسی اور کا۔ ایسے ہی ان انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو صنعت اور اس سے متعلقہ دیگر فنون کے علم کا ہرگز وارث نہیں ٹھہرایا، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے موقع پر جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ نزولِ اجلال فرمایا، تو وہاں کے لوگوں کو کھجوروں کی تأبیر (پیوندکاری) کرتے ہوئے پایا۔ آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے، اُن کو مشقت میں دیکھتے ہوئے، اس بارے میں بات کی۔ آپ ﷺ کی گفتگو کا ماحصل یہ تھا کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو اُن لوگوں نے آپ ﷺ کے کہنے پر ایسا ہی کیا اور تلقیح☆ کرنے سے رُک گئے، مگر کھجوروں پر پھل کم آیا۔ اس پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

«أنتم أعلم بأمر دنياكم»[1] ''تم اپنی دنیا کے معاملات کو بہتر جانتے ہو۔''

لہٰذا اگر دنیوی معاملات کے بارے میں جاننا، تعریف وتوصیف کے لائق ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ان معاملات کو تمام لوگوں سے بڑھ کر جاننے والے ہوتے۔ اس لئے کہ اس دنیا میں علم وعمل کی بابت سب سے زیادہ قابل تعریف اور ثنا کے لائق ہستی اللہ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی ہیں۔

دیگر علوم کی اِفادیت

تو واضح ہوا کہ شرعی اور دینی علم ہی قابل تعریف ہے اور اسے حاصل کرنے والا یقیناً ستائش وثنا کا مستحق ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمیں دیگر علوم وفنون کے فوائد سے قطعی انکار نہیں اور وہ ذات کی حد تک اس اعتبار سے منفعت بخش ہوں گے کہ ایک تو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے دین کی نصرت پر مددگار ومعاون ثابت ہوں اور دوسرے یہ کہ اللہ کے بندے اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوں، اسی لحاظ سے یہ علوم بھلائی، خیرخواہی اور مصلحت کا سرچشمہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ بعض حالات میں ان علوم میں مہارت اور آگاہی حاصل کرنا تو واجب ہوجاتا ہے بالخصوص جب وہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان کے تحت داخل ہوں:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ (الانفال:٦٠)

☆ تلقیح یعنی قلم لگانا، نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور میں ڈال کر پیوندکاری کا عمل کرنا

[1] صحیح مسلم:٢٣٦٣

www.KitaboSunnat.com

''اور جہاں تک ممکن ہو سکے، کافروں کے مقابلہ کے لئے قوت اور جنگی گھوڑے تیار رکھو۔''

اور بہت سے علما نے کہا ہے کہ صنعت وحرفت سے متعلقہ علوم کو جاننا فرضِ کفایہ☆ ہے۔ اور یہ اس لئے کہ کھانے، پینے کے برتن اور دیگر ضرورت کا سامان لوگوں کی ان بنیادی اشیا سے تعلق رکھتا ہے جن پر ان کی زندگی کا انحصار ہے۔ اگر کوئی شخص بھی ان چیزوں کی تیاری کے لئے کارخانہ وغیرہ نہ لگائے، تو ایسی صورت میں ان کا سیکھنا 'فرض عین' بھی ہوجاتا ہے، اگرچہ یہ مسئلہ اہل علم کے مابین مختلف فیہ ہے۔

بہرصورت ہم یہی کہیں گے کہ قابل ستائش اور افضل ترین 'شرعی علم' ہی ہے جو اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو سیکھنا ہے اور اس کے علاوہ دیگر علوم وہ یا تو خیر وبرکت اور بھلائی کے کاموں کا ذریعہ ہیں اور یا پھر شر وفساد کو جنم دینے کا 'وسیلہ'۔ سو اُن کا حکم اُن اُمور کے مطابق ہوگا جنہیں اُٹھانے اور ظاہر کرنے کا یہ ذریعہ بنے ہیں۔

علم کے فضائل

اللہ جل شانہ نے علم اور اہل علم دونوں کی تعریف فرمائی ہے اور اپنے بندوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ بعینہٖ سنتِ طاہرہ میں بھی طلبِ علم کی جابجا تلقین کی گئی ہے۔ لہٰذا علم کا حصول، نیک اعمال میں سے افضل ترین عمل اور نفلی عبادات میں افضل ترین عبادت ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ عزوجل کے دین کو قائم اور نافذ کرنے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں:

① علم اور دلیل ② لڑائی اور اسلحہ

اقامتِ دین کے لئے یہ دونوں چیزیں از بس ضروری ہیں۔ ان دونوں کے سوا دین کا غلبہ ناممکن ہے، اور ان دونوں میں سے پہلی چیز دوسری پر مقدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے کبھی کسی قوم پر ان کو اللہ عزوجل کے دین کی طرف دعوت دیے بغیر شب خون نہیں مارا۔ گویا اس اعتبار سے علم قتال (اللہ کی خاطر لڑائی لڑنے) پر سبقت لے گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ

☆ جو شرعی حکم ایک یا چند اشخاص کے بجالانے سے معاشرے کے دیگر افراد سے ساقط ہوجائے، فرض کفایہ کہلاتا ہے، جیسے نماز جنازہ میں شرکت وغیرہ

www.KitaboSunnat.com

ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْضَرُ الآخِرَةَ وَ يَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهٖ﴾

''کیا (ایسا شخص بہتر ہے) یا وہ شخص جو مطیع فرمان ہے، رات کے اوقات کو قیام اور سجدہ میں عبادت کرتے گزارتا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کا اُمیدوار ہے۔'' (الزمر:۹)

اس آیت میں مذکور 'استفہام' کے مدمقابل ایک 'استفہام' کا ہونا ضروری ہے، تب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا شخص جو رات کے اوقات کو اللہ تعالیٰ کے حضور قیام اور سجدہ میں گزارتا، آخرت سے ڈرتا اور اپنے ربّ کی رحمت کی اُمید رکھتا ہو اور وہ شخص جو کبر ونخوت سے بھرا ہوا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردانی کرنے والا ہو، کیا دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟

تو استفہامِ مذکور کا جواب یہ ہے کہ یہ کبھی برابر نہیں ہوسکتے، لہٰذا قرآنی سیاق وسباق میں مدمقابل کا استفہام معلوم ہونے کی بنا پر اسے ذکر نہیں کیا گیا.....

یہاں سوال یہ ہے کہ یہ مذکورہ عبادت گزار شخص جو رات کے اوقات کو قیام اور سجدے میں گزارتا، آخرت کے حساب وکتاب سے ڈرتا، اور ساتھ ہی اللہ عزوجل سے اجروثواب کی اُمید بھی رکھتا ہے، تو آیا اس کا یہ سارا عمل علم کی بنیاد پر ہے یا جہالت پر؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علم اور بصیرت کی بنیاد پر ایسا کرتا ہے، اسی لئے تو آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الأَلْبَابِ﴾ (الزمر:۹)

''اے پیغمبرؐ! آپ ان سے پوچھئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟'' مگر ان باتوں سے سبق تو وہی حاصل کرسکتے ہیں جو اہل عقل وخرد ہوں۔''

جاننے والا اور نہ جاننے والا برابر نہیں ہوسکتے بالکل ایسے، جیسے زندہ اور مُردہ، سننے والا اور بہرہ، دیکھنے والا اور اندھا، کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ علم ایک روشنی ہے جس سے انسان سیدھی راہ پاتا اور کفر وشرک کے اندھیروں سے نکل کر نورِ ایمان کی طرف گامزن ہوتا ہے، اس علم کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے، سربلند کردیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ (المجادلہ:۱۱)

www.KitaboSunnat.com

''تم میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گئے، اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند کرے گا۔''

یہی وجہ ہے کہ ہم اہل علم کو ہی قابل ستائش پاتے ہیں، اور جب بھی ان کا کہیں تذکرہ ہوتا ہے، لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ تو ہوا اُن کا اس دنیا میں بلند مقام اور مرتبہ، جبکہ آخرت میں وہ اللہ کے دین کی طرف دعوت وارشاد اور نیک اعمال کے مطابق بلند مراتب سے بہرہ ور ہوں گے۔

یقیناً حقیقی عبادت گزار بندہ وہ ہے جو شعور رکھتے ہوئے علم وآگہی سے اس حال میں اپنے ربّ کی عبادت کرتا ہے کہ حق بات اس سے چہار سو پھیلتی جاتی ہے اور یہی اللہ کے نبی ﷺ کا طریقۂ بندگی تھا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (یوسف:۱۰۸)

''(اے پیغمبرؐ) آپ ان سے کہہ دیجئے! میرا راستہ یہی ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی اس راہ کو پوری روشنی میں دیکھ رہا ہوں اور میرے پیروکار بھی (اسی راہ پر گامزن ہیں) اللہ پاک ہے، اور مشرکوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔''

لہٰذا وہ انسان جو جانتے بوجھتے اور یہ شعور رکھتے ہوئے پاک اور صاف ہوتا ہے کہ وہ ایک شرعی کام کو شرعی طریقے کے مطابق انجام دے رہا ہے، کیا یہ اُس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو یہی پاکیزگی علم وعمل محض روایتی طور پر اس لئے حاصل کرتا ہو کہ اس نے اپنے ماں باپ کو ایسا کرتے دیکھا ہے؟

ان دونوں میں کون سا شخص عبادت کا حق ادا کرنے میں آگے ہے؟ آیا وہ شخص جو اس لئے پاک صاف ہوا کہ اس نے یہ اچھی طرح جان لیا کہ طہارت حاصل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور یہی طہارت اللہ کے نبی ﷺ کا طریقہ اور حکم بھی ہے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور رسول اللہ ﷺ کی سنتِ طاہرہ کی پیروی میں طہارت حاصل کرتا ہے.....

یا دوسرا وہ شخص جو محض اپنے ہاں جاری رسم پوری کرنے کے لئے پاکیزگی اور صفائی پر کاربند ہے؟ تو جواب واضح ہے کہ پہلا شخص ہی اپنے عمل میں درست ہے جس نے علم

www.KitaboSunnat.com

وبصیرت پر اپنے ربّ کی عبادت کی۔

اگرچہ ظاہری طور پر دنوں کا عمل ایک جیسا ہے مگر دونوں حقیقت میں برابر نہیں، کیونکہ ایک کا عمل علم وبصیرت کی بنیاد پر ہے اور وہ اپنے اس عمل کی بنا پر اللہ عزوجل سے ثواب کی اُمید رکھتا اور آخرت میں حساب وکتاب سے ڈرتا بھی ہے اور ساتھ ہی وہ جانتا ہے کہ وہ اس عمل کی بجا آوری میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی بھی کر رہا ہے۔

اور ہم اسی نکتہ پر چند لمحے ٹھہرتے ہوئے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا وضو کرتے وقت ہمیں اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ ہم حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدۃ:٦)

''اے اہل ایمان! جب نماز ادا کرنے کے لئے اُٹھو تو پہلے اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھولو اور اپنے سروں کا بھی مسح کرلو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔''

تو کیا ایک انسان وضو کرتے وقت یہ آیتِ کریمہ ذہن میں رکھتے ہوئے جانتا ہوتا ہے کہ وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کر رہا ہے؟ کیا وہ یہ شعور رکھتا ہے کہ یہ طریقۂ وضو رسول اللہ ﷺ کا ہے اور وہ یہ وضو رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں کر رہا ہے؟ اس سوال کا جواب بھی یقیناً 'ہاں' میں ہوگا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ اس بات کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ لہٰذا عبادات کی بجا آوری میں ہم پر واجب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہوئے اُنہیں ادا کریں تاکہ ایک تو ان عبادات میں ہماری نیک نیتی اور خلوص واضح اور ثابت ہوسکے، اور دوسرے یہ کہ ہم ان عبادات کو رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں بجالائیں۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ نیت (دل کا ارادہ) وضو کی شروط میں سے ہے۔ لیکن بسا اوقات اس نیت سے مراد 'عمل کی نیت' ہوتی ہے اور یہی وہ قسم ہے جس کے بارے میں 'علم فقہ' میں بحث کی جاتی ہے۔ اور بسا اوقات 'نیت' سے مراد عمل کی نیت نہیں بلکہ وہ 'ہستی' ہوتی ہے جس کے

www.KitaboSunnat.com

لئے وہ 'عمل' کیا جاتا ہے، اس وقت ہم پر لازم ہے کہ ہم اس بڑے اور حساس معاملے میں خبردار اور ہوشیار رہیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم عبادت کرتے وقت یہ بات اچھی طرح سے اپنے مدنظر رکھیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کا یہ حکم صرف اور صرف اسی ذات کے لئے خالص ہوکر ادا کررہے ہیں اور ساتھ ہی اپنے آپ کو یہ باور کراتے ہوئے کہ چونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے ادا فرمایا ہے، لہٰذا ہم آپؐ کی اتباع (اور پیروی) میں اسے سرانجام دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ اجروثواب کی خاطر کئے گئے عمل کے صحیح اور قبول ہونے کی شروط میں سے درج ذیل دو شرطیں قابل ذکر ہیں:

① اخلاصِ نیت ② متابعتِ رسولؐ (اطاعت و پیروی)

اور یہی وہ دو شرطیں ہیں جن کی موجودگی میں شہادَتین «أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمّدًا رسول الله» ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ بھی کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' پر عمل ممکن ہے۔

یہاں سے ہم دوبارہ اپنے موضوع 'فضائل علم' کی جانب آتے ہیں، جیسا کہ یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ علم کی بدولت انسان فہم اور بصیرت کی بنا پر اپنے ربّ کی عبادت کرتا ہے، ایسے میں اس کا دل بندگیٔ ربّ سے سرشار اور اس کے انوار سے منور ہوتا ہے اور عبادت گزار یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک عادت نہیں بلکہ علم پر مبنی عبادت کا عمل ادا کررہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب انسان اس جذبے اور کیفیت میں نماز ادا کرے گا، تو دورانِ عبادت اس کے دل و دماغ میں اللہ جل شانہ کا یہ فرمان موجزن ہوگا کہ

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت:۴۵)

''بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی کے کاموں سے روکتی ہے۔''

☜ 'فضائل علم' کے بارے میں چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

① **علم انبیا علیہم السلام کی وراثت ہے:** انبیاے کرامؑ نے اپنے بعد والوں کو درہم و دینار کا نہیں بلکہ علم کا وارث بنایا ہے۔ تو جس شخص نے علم حاصل کیا، اس نے انبیا کی وراثت سے وافر حصہ پالیا۔ اے میرے مخاطب! تو اس وقت پندرہویں صدی ہجری میں ہے، اگر تیرا شمار

www.KitaboSunnat.com

اہل علم میں ہے تو جان لے کہ تو حضرت محمد ﷺ کا اصل وارث ہے اور یہ فضائل میں سے سب سے بڑی فضیلت ہے۔

۲ علم کو بقا اور مال کو فنا ہے: فقرا صحابہؓ میں سے ایک جلیل القدر صحابی رسولؐ حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ یہاں تک کہ آپؓ بھوک کی شدت سے غشی کی حالت میں نیچے گر پڑتے ہیں۔ ذرا بتائیے! ہمارے آج کے دور میں حضرت ابو ہریرہؓ کا ذکرِ خیر لوگوں کی زبانوں پر جاری وساری ہے کہ نہیں؟ یقیناً بہت زیادہ ہے، اور جو ان کی بیان کردہ احادیث سے فائدہ اُٹھائے گا، اس کا اجر وثواب حضرت ابو ہریرہؓ کو تا قیامت صدقۂ جاریہ کی صورت میں الگ ملے گا۔ تو معلوم ہوا کہ علم باقی رہتا ہے جبکہ مال فنا ہوجاتا ہے۔ اے علم کے طالب! علم کی دولت سے وابستہ رہ، اس بارے میں صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية او عمل ينتفع به أو ولد صالح يدعوله»[۲]

''جب انسان مر جاتا ہے تو تین قسم کے اعمال کے سوا اس کے سارے عمل منقطع ہو جاتے ہیں: ایک صدقۂ جاریہ کی صورت میں کوئی عمل، دوسرا کوئی ایسا علمی سرمایہ جس سے فائدہ اُٹھایا جائے اور تیسرا نیک اولاد جو اس کے لئے دعاے خیر کرے۔''

۳ عالم کو علم کی حفاظت میں تھکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا: اور یہ اس لئے کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم کی سعادت سے بہرہ ور فرما دیا تو چونکہ اس کی اصل جگہ انسان کا دل و دماغ ہے۔ لہٰذا اس کے لئے کسی صندوق یا چابی وغیرہ کی ضرورت نہیں، وہ انسان کے دل و دماغ میں پہلے سے محفوظ ہوتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ آپ کا محافظ ہے اور وہ اللہ عزوجل کے حکم سے آپ کو ہر قسم کے خطرے سے بچاتا ہے۔ علم آپ کی پاسبانی کرتا ہے جبکہ مال کی آپ کو ہر لحظہ حفاظت کرنا پڑتی ہے، آپ اُسے تالے لگے صندوقوں میں بند کرکے رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود مطمئن نہیں ہو پاتے۔ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے جبکہ علم کو جتنا سکھایا جائے یعنی صرف کیا جائے، اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

---

۲ صحیح مسلم: کتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته: رقم ۱۶۳۱

www.KitaboSunnat.com

④ **عالم کا شمار حق پر گواہی دینے والوں ہوتا ہے:** جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾

''اللہ نے خود بھی اس بات کی گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی راستی اور انصاف کے ساتھ یہی گواہی دی ہے۔'' (آل عمران:۱۸)

تو کیا اللہ تعالیٰ نے آیت میں ﴿اولوا المال﴾ یعنی مال و دولت والوں کا ذکر کیا ہے؟ نہیں، بلکہ اس کے بجائے یہ الفاظ ہیں ﴿وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾

''اہل علم نے بھی انصاف کے ساتھ اللہ کی واحدانیت کی گواہی دی ہے۔''

تو اے طالبِ علم! تیرے شرف و کمال کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تیرا شمار اُن ہستیوں میں ہوتا ہے جو فرشتوں کی رفاقت میں اللہ عزوجل کی یکتائی کی گواہی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔

⑤ **علما کا شمار مؤمنوں کے والیوں (ذمہ داروں) میں ہوتا ہے:** اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے والیوں (ذمہ داروں) کی اطاعت کا ان الفاظ میں حکم دیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اُن والیوں کی بھی جو تم میں سے ہیں۔'' (النساء:۵۹)

یہاں آیتِ کریمہ میں 'اہل ایمان کے والیوں' میں، اُمرا، حکام، علماے کرام اور علم کے طلبا سب شامل ہیں۔ اہل علم کی ولایت (سرپرستی) یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی شریعتِ طاہرہ کو بیان کریں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیں، جبکہ اُمرا و حکام کی ولایت (سرپرستی) سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ جل شانہ کی شریعتِ طاہرہ کو من وعن نافذ کریں اور لوگوں کو اس کا پابند بنائیں۔

⑥ **اہل علم ہی اللہ کے دین اور حکم کو قائم و دائم رکھنے والے ہیں:** اور ان کا یہ عمل قیامت تک جاری و ساری رہے گا، اس کی دلیل حضرت معاویہؓ سے مروی یہ حدیث ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

---

③ صحیح بخاری: کتاب العلم: رقم ۷۱

www.KitaboSunnat.com

«من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين وإنما أنا قاسم والله يعطي ولن تزال هذه الأمة قائمة على أمر الله لا يضرهم من خالفهم حتى يأتي أمر الله» ③

''جس شخص کے ساتھ اللہ عزوجل بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اُسے دین میں سمجھ دے دیتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ جل شانہ عطا کرنے والے ہیں، اور اس اُمت (کی ایک جماعت) ہمیشہ اللہ کے دین پر ثابت قدم رہے گی اور قیامت بپا ہونے تک کوئی ان کا مخالف ان کو تکلیف (یا نقصان) نہیں دے سکے گا۔''

امام احمد بن حنبلؒ اس جماعت کے بارے میں کہتے ہیں کہ

''اگر یہ اہل حدیث نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ ان کے علاوہ اور کون لوگ ہیں۔''

(صحیح سنن ابن ماجہ، زیر حدیث نمبر ٦)

قاضی عیاضؒ کا کہنا ہے: ان سے امام احمد بن حنبلؒ کی مراد اہل سنت اور وہ لوگ ہیں جو اہل حدیث کے مذہب پر ہیں: ومن يعتقد مذهب أهل الحديث (شرح نووی: ٦/٤٠٠)

⑦ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے دو نعمتوں کے علاوہ کسی کو کسی شخص پر رشک کرنے کی ترغیب نہیں دی اور وہ قابل رشک دو نعمتیں یہ ہیں:

١) علم حاصل کرنا اور اس کے مطابق اس پر عمل کرنا۔

٢) تاجر شخص جو اپنے مال کو دین اسلام کی خدمت میں خرچ کرتا ہے۔ اور اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لا حسد إلا في اثنتين رجل آتاه الله مالا فسلطه على هلكته في الحق ورجل آتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويُعلِّمها» ④

''دو قسم کے آدمی قابل رشک ہیں، ایک وہ آدمی جسے اللہ نے مال سے نوازا اور وہ اسے حق کی راہ میں لٹاتا ہے، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (دینی علم) سے بہرہ ور فرمایا اور وہ اسی کے ساتھ فیصلے کرتا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔''

⑧ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

④ صحیح بخاری: کتاب العلم: ٧٣

www.KitaboSunnat.com

''جو ہدایت اور علم اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کر کے مبعوث فرمایا ہے، اس کی مثال اس بارش کی ہے جو زمین پر برسے، تو زمین اچھی اور زرخیز ہوتی ہے، وہ پانی کو پی لیتی ہے اور گھاس اور سبزہ خوب اُگاتی ہے اور جو زمین سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ لوگ اس کو پیتے ہیں، اور اپنے مویشیوں کو پلاتے ہیں اور زراعت کو سیراب کرتے ہیں۔ اور کچھ بارش زمین کے دوسرے حصے کو پہنچی کہ جو بالکل چٹیل میدان ہے، جو نہ پانی کو روکتا ہے اور نہ ہی سبزہ اُگاتا ہے۔ فذلك مثل من فقه في دين الله ونَفَعَهُ ما بَعَثَني الله به فَعَلِمَ وَعَلَّمَ پہلی مثال اس شخص کی ہے جو اللہ کے دین میں فقیہ ہوجائے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر مبعوث فرمایا ہے، وہ اس کا فائدہ پہنچائے، اسے پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے اور دوسری مثال ہے اس شخص کی ہے جس سے اس کی طرف سر تک نہ اُٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، قبول نہ کیا۔''[5]

⑨ بلاشک علم کا حصول جنت کا راستہ ہے اور اس کی دلیل حضرت ابوہریرہؓ سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ومن سلك طريقا يطلب فيه علمًا سهَّل الله له طريقًا إلى الجنة» [6]

''جو شخص علم کی جستجو میں کسی راستے پر چلا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے، اس کے لئے جنت کی طرف جانے کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔''

⑩ اور اسی ضمن میں حضرت معاویہؓ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: «من يرد الله به خيرًا يفقّهه في الدين» [7]

''جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین میں سمجھ دے دیتا ہے۔''

مطلب یہ کہ اسے اپنے دین کا عالم و فقیہ بنا دیتا ہے اور یہاں دین میں فقہ سے مراد، صرف وہی 'علم فقہ' نہیں جو اہل علم کے ہاں علم فقہ میں مخصوص شرعی و عملی احکام ہیں بلکہ یہاں اس کا مفہوم وسیع تر ہے جس سے مراد علم توحید، عقائد اور اللہ عزوجل کی شریعتِ طاہرہ سے

---

④ صحیح بخاری، کتاب العلم: ۷۹

⑤ صحیح مسلم: کتاب الدعوات، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن: ۲۶۹۹

⑥ صحیح بخاری: باب العلم قبل القول والعمل ..... صحیح مسلم: رقم ۴۸۶۷

www.KitaboSunnat.com

متعلقہ تمام مسائل وتفصیلات ہیں۔علم کے فضائل کے ضمن میں کتاب وسنت کے دلائل میں اس حدیث کے سوا کوئی اور دلیل نہ بھی ہوتی تو شرعی علوم اور ان میں مہارت حاصل کرنے کی ترغیب کے سلسلے میں یہی حدیث کافی تھی۔

⑪ بلا شک علم ایک ایسی روشنی ہے جس کے ذریعے انسان نورِ بصیرت سے بہرہ ور ہوتے ہوئے اس حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے ربّ کی کس طرح عبادت کرے، اور اس کے بندوں سے کیسے معاملات طے کرے، تو اس عملی تگ و دو میں اس کا ہر کام علم وبصیرت کی بنیاد پر طے پاتا اور پورا ہوتا ہے۔

⑫ صاحبِ علم ایک ایسا چراغ ہے کہ جس کی روشنی میں لوگ اپنے دینی و دنیوی کاموں کی انجام دہی کے لئے رہنمائی حاصل کرتے ہیں..... اور اس ضمن میں ہم میں بہت سے لوگ بنی اسرائیل کے اس شخص کا قصہ جانتے ہوں گے جس نے ننانوے قتل کئے اور بعد ازاں اس نے زمین کے باسیوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے کے بارے میں پوچھا تو اسے ایک عبادت گزار شخص کے بارے میں بتایا گیا۔اس قاتل شخص نے صالح اور عابد سے پوچھا کہ آیا اس کی توبہ ممکن ہے؟ تو اس عبادت گزار شخص نے اسے بڑا بھاری گناہگار گردانتے ہوئے کہا کہ تیری توبہ ممکن نہیں، جس پر اُس شخص نے مایوس ہوکر اور غصے سے بپھرتے ہوئے اس عابد کو بھی قتل کر دیا اور اس طرح ۱۰۰ قتل کی گنتی پوری کی۔

پھر وہ قاتل ایک صاحبِ علم کے پاس گیا اور اس سے وہی بات پوچھی تو اس عالم شخص نے اسے بتایا کہ اس کی سچی توبہ قبول ہوگی اور دنیا کی کوئی چیز اس کے اور توبہ کے درمیان رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ پھر اس نے اس قاتل کو سچی توبہ کے بعد نیکوکار لوگوں کی بستی کی طرف فوری طور پر چلے جانے کو کہا۔تو وہ شخص اسی وقت اس علاقے کی طرف چل پڑا جبکہ راستے ہی میں اُسے موت نے آلیا۔[۸] یہ پورا قصہ مشہور ومعروف اور صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

⑬ **اللہ تعالیٰ اہل علم کو دنیا وآخرت دونوں جہانوں میں سربلند رکھتے ہیں:** آخرت میں اللہ تعالیٰ اُنہیں اپنے دین کی طرف دعوت وارشاد اور علم کے مطابق عمل کے مطابق بلند درجات

---

[۸] صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، رقم: ۳۴۷۰

www.KitaboSunnat.com

سے نوازے گا اور دنیا میں بھی اللہ جل شانہ اپنے بندوں میں ان کی اقامتِ دین کے سلسلے میں محنت و کاوش کا صلہ وثمرہ دیتے ہوئے اُنہیں امتیازی شان و مقام مرحمت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جو علم سے نوازے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ (دونوں جہانوں میں) ان کے درجے بلند کرے گا۔'' (المجادلة:١١)

حصولِ علم کا حکم

شرعی علوم کو سیکھنا فرضِ کفایہ ہے اور جب کوئی شخص اس حد تک علم حاصل کرلے کہ وہ علاقے کے لوگوں کے لئے کافی ہو تو پھر دوسرے لوگوں کے لئے علم حاصل کرنا 'مستحب' ہے۔

البتہ بعض اوقات شرعی علم کا حصول انسان پر فرضِ عین ہوجاتا ہے، خاص طور پر جب کوئی عبادت جسے وہ ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، یا کوئی معاملہ جسے وہ نمٹانا چاہتا ہو، اور ان دونوں قسم کے اعمال کا انحصار اسی ایک شخص پر ہو تو ایسے حالات میں اس پر یہ واجب ہے کہ وہ پہلے اچھی طرح سے جان لے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا یہ عمل کیسے بجالائے، اور اس معاملے کو بھی کس طرح صحیح طریقے سے سرانجام دے گا اور اسکے سوا علم کی جو بھی صورت ہے وہ فرضِ کفایہ ہے۔

لہٰذا ایک طالبِ علم کو چاہئے کہ وہ دورانِ تعلیم وتعلّم ہمہ وقت یہ بات اپنے پیش نظر رکھے کہ وہ ایک فرضِ کفایہ عمل کو ادا کررہا ہے، تاکہ وہ اس مبارک عمل، تحصیل علم کے ساتھ ساتھ ایک فرض کی ادائیگی کا اجروثواب بھی حاصل کرسکے۔

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ علم حاصل کرنا، افضل ترین اعمال میں سے ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور خاص طور پر ہمارے آج کے اس دور میں جہاں ایک طرف اسلامی معاشرے میں بدعات وخرافات کثرت سے پھیلتی اور بڑھتی چلی جارہی ہیں تو دوسری طرف بغیر علم کے صادر ہونے والے فتووں سے جہالت کا طوفان اُمڈتا چلا آرہا ہے اور رہی سہی کسر جہالت کے مارے ہوئے لوگوں کے درمیان کثرت سے ہونے والی بحث وتکرار اور لڑائی جھگڑے نے پوری کردی ہے۔

مذکورہ تینوں قسم کے مسائل کی بنا پر نوجوانانِ ملتِ اسلامیہ پر یہ لازمی ذمہ داری عائد

www.KitaboSunnat.com

ہوجاتی ہے کہ وہ شرعی علوم کو حاصل کرنے کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں۔

یہاں اہمیت وافادیت کے پیش نظر ان تین قسم کے اُمور کو بالترتیب دوبارہ ذکر کرتے ہیں:

① بدعات وخرافات کا ظہور جن کا شر وفساد پھیلتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔

② بغیر علم کے دیئے گئے فتوؤں کی شہرت اور ان پر کثرت سے لوگوں کا عمل پیرا ہونا۔

③ جہالت کے مارے ہوئے فریب خوردہ لوگوں کا ایسے شرعی مسائل میں کثرت سے بحث و تکرار اور جھگڑا و فساد جو اہل علم کے ہاں بسا اوقات واضح ہوتے ہیں لیکن کوئی علم سے عاری شخص آ کر ان میں اختلاف کرتے ہوئے لوگوں کے درمیان جھگڑے وفساد کا طوفان کھڑا کر دیتا ہے۔

اسی بنا پر ہمیں آج کے پُر آشوب دور میں ایسے علماے حق کی اشد ضرورت ہے جو علم میں وسعت کے ساتھ پختگی بھی رکھتے ہوں، اللہ کے دین کی صحیح سوجھ بوجھ کے حامل ہوں اور اللہ کے بندوں کی رہنمائی میں حد درجے کی حکمت ومصلحت کو بروئے کار لانے میں اُنہیں مہارتِ تامہ حاصل ہو۔ اس لئے کہ بہت سے لوگ اب کسی بھی مسئلے کو حل کرنے میں سطحی نگاہ سے دیکھتے ہوئے دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں، جبکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اصلاح وفلاح اور صحیح تربیت کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ جب وہ کسی بھی معاملے میں فتویٰ دیتے ہیں تو وہ مسلم معاشرے میں اتنے بڑے شر وفساد کا باعث بنتا ہے کہ جس کی انتہا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔ والعیاذ باللہ من ذلك

اس لئے صحیح اور پختہ شرعی علم جو کتاب وسنت کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے، اس کی تعلیم اور تفقہ حاصل کرنا اس دور کی اہم ترین ضرورت ہے۔ فی زمانہ اسلام ایک مظلوم مذہب بن چکا ہے، اور اس کے احکام وشعائر کو طنز وتضحیک کا نشانہ بنایا جارہا ہے، ان حالات میں اللہ کے دین کی نصرت کے لئے کھڑے ہوجانا اور نبوت کی وراثت کو تھام لینا دنیا کی سب سے عظیم سعادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل علم کو صبر واستقامت اور اپنے علم کے مطابق عمل صالح کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

[شیخ محمد بن صالح عثیمینؒ کی عربی تالیف
کتاب العلم کے پہلے باب کا ترجمہ]

www.KitaboSunnat.com

قانون وقضا

حافظ صلاح الدین یوسف

خواتین ایکٹ کے اغراض ومقاصد

وطنِ عزیز کے حالیہ المناک حالات بلاشبہ بداعمالیوں اور کوتاہیوں کا لازمی نتیجہ ہیں۔ جن دشمنوں کو خوش کرنے کے لئے اپنوں کو بے دردی سے ہلاکت وبربادی کی بھینٹ چڑھایا گیا، آج وہی عراق وافغانستان کی طرح اُسامہ بن لادن کی یہاں موجودگی کا الزام لگاتے ہوئے ہم پر حملہ کے لئے پرتول رہے ہیں۔ قوم کے سرکردہ افراد نے بالخصوص کچھ عرصے سے جس طرح اللہ کو ناراض کرنے اور مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کی روش اپنا رکھی ہے، زیرنظر مضمون میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ نئے آلام ومصائب میں ہم اس شرمناک ماضی قریب کو بھی بھولتے جارہے ہیں جب اللہ کے قانون کو چیلنج کرکے ہم نے اپنے اوپر اللہ کی ناراضگی مسلط کرلی تھی۔ خوفناک اندیشے اور مہیب سائے ہمیں اپنے ربّ کی طرف رجوع کی دعوت دیتے ہیں کہ مہلت کے لمحے ابھی باقی ہیں۔ یہ رجوع انفرادی بھی ہے، لیکن اجتماعی سطح پر ندامت، غلطیوں سے توبہ، اللہ سے مغفرت اور اس سے کئے وعدوں کو ایفا کئے بنا کوئی چارہ نہیں۔ بقولِ شاعر

فطرت افراد سے اِغماض بھی کرلیتی ہے ◉ کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف! (ح م)

مغرب زدہ اور لادین عناصر کی ۲۷ سالہ جدوجہد کے نتیجے میں بالآخر حدود آرڈیننس (۱۹۷۹ء) کا تیاپانچہ کرکے ۱۳؍نومبر ۲۰۰۶ء کو تحفظِ نسواں بل قومی اسمبلی اور بعدازاں سینٹ سے پاس ہوکر صدرِ مملکت کے دستخط کے بعد ایکٹ (قانون) کی صورت میں نافذ کردیا گیا۔

اس بل کا پاس ہوجانا اور پھر قانون بن کر نافذ ہوجانا، اُن اسلامیانِ پاکستان کے لئے جو پاکستان کا مقصدِ قیام اسلام کا نفاذ سمجھتے تھے اور اسی لئے اُنہوں نے جان و مال کی گراں قدر قربانیاں پیش کی تھیں، ایک عظیم صدمے سے کم نہیں۔ اس لئے اس پر قرآنِ کریم کے الفاظ میں إنا لله وإنا اليه راجعون ہی پڑھا جاسکتا اور پڑھا جانا چاہئے۔ قرآن نے کہا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۵۶)

''صابر مؤمنین کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ إنا لله ..... پڑھتے ہیں۔''

www.KitaboSunnat.com

جمہوریت، اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک عظیم خطرہ

حدود آرڈیننس تقریباً ۲۷ سال نافذ رہا، لیکن حکومتوں کی بدنیتی، مغرب سے مرعوبیت اور غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے عملاً غیر مؤثر رہا اور کسی ایک شخص کو بھی اس کے تحت صحیح معنوں میں سزا نہیں مل سکی، صرف دارو گیر اور قید و بند تک معاملہ رہا اور ججوں سمیت عدالتی اہل کاروں، وکیلوں اور پولیس کی چاندی رہی اور اس طویل عرصے میں کسی ایک حد کا بھی نفاذ نہیں ہوسکا۔ یہ تاریخ انسانی کا ایک عجوبہ قانون ہے جس کے تحت ابھی تک کسی کو سزا نہیں ملی، حالانکہ چوری کی وارداتیں اتنی کثرت سے ہوتی ہیں کہ الامان والحفیظ۔ اسی طرح زنا کاری کا جرم بھی کثیر الوقوع ہے اور شراب نوشی بھی عام ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے خلاف اتنا شور وغوغا بلند رہا، سیکولر گروہ اس کے خلاف مسلسل سرگرم اور متحرک رہے اور مغربی لابیاں اور این جی اوز اس کو ایک چیلنج سمجھتی رہیں اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں جب تک کہ اس کے بالکل برعکس ایک سراسر غیر اسلامی قانون اُنہوں نے منظور نہیں کروا لیا۔

یہ سب مغربی جمہوریت کا شاخسانہ اور اس کی 'برکات' ہیں۔ مغربی استعمار اور اس کے گماشتے اسلامی ملکوں میں جمہوریت کے نفاذ پر جو زور دیتے ہیں، اس کا مقصد یہی ہے کہ اس کے ذریعے سے اسلامی ملکوں اور اسلامی معاشروں کو ان کی اسلامی خصوصیات اور اسلامی تہذیب واقدار سے دور کردیا جائے۔ یہ مقصد جمہوریت ہی سے حاصل ہوسکتا ہے، کیونکہ جمہوریت ہی میں آزادئ رائے کی مکمل اجازت ہے اور اس اجازت کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی رائے کے اظہار اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے کا حق حاصل ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ نظریہ یا رائے اسلام کے خلاف ہے یا اس کے مطابق؟ علاوہ ازیں اسمبلیاں مطلقاً قانون سازی کا حق رکھتی ہیں، اس کے ممبر عوام کے منتخب نمائندے ہیں، وہ اکثریتی رائے سے جو چاہیں قانون بنا سکتے اور نافذ کرسکتے ہیں، ان کو اللہ اور رسول کی رائے اور ان کی باتوں کا پابند نہیں کیا جاسکتا۔

مغربی جمہوریت کی انہی دو کمزوریوں یا بقول اُن کے دو 'خوبیوں' سے مذکورہ عناصر نے فائدہ اُٹھایا۔ پہلے ۲۷ سالہ یکطرفہ جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے یہ باور کرایا گیا کہ حدود

www.KitaboSunnat.com

آرڈیننس کی وجہ سے عورت پر بڑا ظلم ہورہا ہے، اس لئے اس کو ختم کرکے عورت کی دادرسی کا اہتمام ضروری ہے۔دوسرے نمبر پر قومی اسمبلی میں اپنی اکثریت کے بل پر متنازعہ اور خلافِ اسلام بل پاس کروالیا۔

یہ اُن حضرات کے لئے لمحہ فکریہ ہے جو کہتے ہیں کہ جمہوری نظام اسلام کے خلاف نہیں ہے بلکہ اسلام کے مطابق ہے، جس طرح پہلے سوشلسٹ اور کمیونسٹ کہتے تھے کہ سوشلزم عین اسلام ہے، اس میں کوئی بات خلافِ اسلام نہیں۔ حالات اور واقعات نے ثابت کردیا کہ جس طرح سوشلزم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اسی طرح جمہوریت بھی سراسر غیر اسلامی نظام ہے اور اس کے ذریعے سے کبھی اسلام نہیں آسکتا؛ ہاں! اسلام سے دُوری ضرور پیدا ہوسکتی ہے۔ دیکھ لیجئے، قومی اسمبلی اور سینٹ میں اسلامی ذہن رکھنے والے حضرات ایک معقول تعداد میں موجود ہیں ،لیکن وہ زیر بحث بل کو رکوانے میں ناکام رہے اور خدانخواستہ یہ قانون اگر چند سال نافذ رہ گیا تو اسلام کے تصورِ عفت وحیا کی دھجیاں بکھر جائیں گی اور حیاباختگی کا وہ طوفان آئے گا کہ جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ لا قدّرہ اللہ

قانون کا نام 'تحفظِ نسواں' کیوں؟

اس قانون کو 'تحفظِ نسواں' کا نام دیا گیا ہے۔حالانکہ اس قانون کا تعلق زنا اور قذف کی سزاؤں سے ہے جس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی ملوث ہوسکتی ہیں۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی ورغلا کر مردوں کو زنا کاری پر آمادہ یا مجبور کرسکتی ہیں جیسے قرآن مجید میں امرأۃ العزیز اور حضرت یوسفؑ کا واقعہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔اسی طرح زنا کی جھوٹی تہمت بھی مردوں کی طرح عورت بھی لگا سکتی ہے بلکہ عام مشاہدہ تو یہ ہے کہ عورتیں دوسری عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے میں بڑی بے باک ہوتی ہیں۔ جب واقعہ یہ ہے کہ زنا اور قذف (زنا کی جھوٹی تہمت) کا ارتکاب مردوں کی طرح عورتوں سے بھی ہوسکتا ہے اور ہوتا بھی ہے تو پھر اسے تحفظِ نسواں کا نام کس طرح دیا جاسکتا ہے؟ کیا دنیا میں کوئی قانون ایسا بھی ہے جسے 'تحفظِ مرداں' یا 'تحفظِ حقوقِ مرداں' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہو۔ تنظیمیں اور وزارتیں تو مخصوص اَغراض ومقاصد کے لئے بنتی ہیں، تو ان کے نام بھی ان کے مخصوص اغراض ومقاصد

www.KitaboSunnat.com

کے مطابق رکھ لئے جاتے ہیں۔ اگر حکومت بھی ایک پرائیویٹ تنظیم یا اس کا تعلق کسی ایک وزارت سے ہے، تو وہ صرف حقوقِ نسواں کے تحفظ کو اپنا مقصدِ وحید قرار دے سکتی ہے، لیکن اگر حکومت کا مقصد تمام شہریوں کے حقوق کا تحفظ ہے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت تو پھر حکومت کے فرائض میں مرد وعورت دونوں کے حقوق کا تحفظ، یکساں طور پر داخل ہے۔ وہ کسی ایک صنف کو نظر انداز کرکے دوسری صنف ہی کو اپنا مطمح نظر قرار نہیں دے سکتی۔ بالخصوص ایسے معاملات میں جن میں دونوں صنفیں برابر کے حقوق رکھتی ہوں، کسی ایسے جرم کے ارتکاب کی سزا کے لئے قانون بنایا جائے جس کا ارتکاب مرد اور عورت دونوں میں سے کوئی بھی کرسکتا ہے تو اس قانون کا نام ایسا تجویز کیا جائے گا جو اس جرم کے انسداد اور اس کی سزا کا مظہر ہو، نہ کہ کسی ایک صنف کے نام پر اسے موسوم کردیا جائے گا۔ مثلاً، رشوت کے انسداد اور اس کی سزا کے لئے کوئی قانون بنایا جائے تو کیا اس کا نام تحفظ حقوقِ مرداں یا نسواں یا تحفظِ عوام رکھا جاسکتا ہے؟ قانون تو سب کے لئے یکساں ہوتا ہے، جو بھی اس قانون کی خلاف ورزی کرے گا، مرد ہو یا عورت؛ اس کا مؤاخذہ و احتساب ہوگا، اس کو قانون کی گرفت میں لایا جائے گا، اس قانون کو کسی ایک صنف کے حقوق کے تحفظ کا مظہر کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟

بنابریں زیر بحث قانون جس کا تعلق زنا اور قذف کے جرم سے ہے، اس کا نام 'خواتین ایکٹ' یا 'تحفظِ نسواں' رکھنا ہی بنیادی طور پر غلط ہے اور اس صنفی امتیاز کا مظہر ہے جس کو ختم کرنے کا حکومت مسلسل اعلان اور دعویٰ کرتی آرہی ہے۔

'تحفظِ نسواں' نام کا پس منظر ایک جھوٹا پروپیگنڈہ ہے!

واقعہ یہ ہے کہ یہ عجیب وغریب نام بھی ایک پس منظر رکھتا ہے اور وہ یہ کہ سیکولر عناصر، مغرب زدہ حضرات اور بیرونی استعمار کی پروردہ اور ایجنٹ این جی اوز مسلسل یہ پروپیگنڈہ کرتی چلی آرہی ہیں کہ حدود آرڈیننس کی وجہ سے عورتوں پر بڑا ظلم ہورہا ہے، جو عورت بھی آکر یہ فریاد کرتی ہے کہ اس کی عصمت دری کی گئی ہے تو اس سے اپنے دعویٰ کی سچائی کے لیے چار عینی گواہوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جن کا پیش کرنا ناممکن ہے۔ نتیجتاً خود اس عورت کو الزامِ زنا میں دھرلیا جاتا ہے اور اس کو حوالۂ زنداں کردیا جاتا ہے۔ یہ پروپیگنڈہ یکسر خلافِ واقعہ ہے۔ اس کی

www.KitaboSunnat.com

وضاحت مولانا تقی عثمانی (سابق جج وفاقی شرعی عدالت وشریعت اپیلیٹ بنچ) نے خود اپنے ایک مضمون میں کی ہے جو کم وبیش ۲۰،۲۱ سال ان مقدمات کی سماعت کرتے رہے ہیں، ان سے زیادہ واقفِ حال کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اُنہوں نے اس پروپیگنڈے کے غبارے کی ساری ہوا نکال دی ہے، ان کے مضمون سے متعلقہ اقتباس ملاحظہ ہو۔ تحریر فرماتے ہیں:

''قرآنِ کریم، سنتِ نبویہ علی صاحبہا السلام اور خلفاے راشدین کے فیصلوں سے یہ بات کسی شبے کے بغیر ثابت ہے کہ زنا کی حد جس طرح رضامندی کی صورت لازم ہے، اسی طرح زنا بالجبر کی صورت میں بھی لازم ہے اور یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ قرآن وسنت نے زنا کی جو حد (شرعی سزا) مقرر کی ہے، وہ صرف رضا مندی کی صورت میں لاگو ہوتی ہے، جبر کی صورت میں اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ پھر کس وجہ سے زنا بالجبر کی شرعی سزا کو ختم کرنے پر اتنا اصرار کیا گیا ہے؟ اس کی وجہ دراصل ایک انتہائی غیر منصفانہ پروپیگنڈا ہے جو حدود آرڈیننس کے نفاذ کے وقت سے بعض حلقے کرتے چلے آرہے ہیں، پروپیگنڈا یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحت اگر کوئی مظلوم عورت کسی مرد کے خلاف زنا بالجبر کا مقدمہ درج کرائے تو اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ زنا بالجبر پر چار گواہ پیش کرے، اور جب وہ چار گواہ پیش نہیں کرسکتی تو اُلٹا اسی کو گرفتار کرکے جیل میں بند کردیا جاتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو عرصۂ دراز سے بے تکان دہرائی جارہی ہے، اور اس شدت کے ساتھ دہرائی جارہی ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اسے سچ سمجھنے لگے ہیں، اور یہی وہ بات ہے جسے صدرِ مملکت نے بھی اپنی نشری تقریر میں اس بل کی واحد وجہ جواز کے طور پر پیش کیا ہے۔

جب کوئی بات پروپیگنڈے کے زور پر گلی گلی اتنی مشہور کردی جائے کہ وہ بچے بچے کی زبان پر ہو تو اس کے خلاف کوئی بات کہنے والا عام نظروں میں دیوانہ معلوم ہوتا ہے، لیکن جو حضرات انصاف کے ساتھ مسائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں، میں اُنہیں دل سوزی کے ساتھ دعوت دیتا ہوں کہ وہ براہِ کرام پروپیگنڈے سے ہٹ کر میری آئندہ معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں خود پہلے وفاقی شرعی عدالت کے جج کی حیثیت سے اور پھر سترہ سال تک سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بنچ کے رکن کی حیثیت سے حدود آرڈیننس کے تحت درج ہونے والے مقدمات کی براہِ راست سماعت کرتا رہا ہوں۔ اتنے طویل عرصے

www.KitaboSunnat.com

میں میرے علم میں کوئی ایک مقدمہ بھی ایسا نہیں آیا جس میں زنا بالجبر کی کسی مظلومہ کو اس بنا پر سزا دی گئی ہو کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کرسکی، اور حدود آرڈیننس کے تحت ایسا ہونا ممکن بھی نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے تحت چار گواہوں یا ملزم کے اقرار کی شرط صرف زنا بالجبر موجبِ حد کے لئے تھی، لیکن اسی کے ساتھ دفعہ ۱۰(۳) زنا بالجبر موجبِ تعزیر کے لئے رکھی گئی تھی جس میں چار گواہوں کی شرط نہیں تھی، بلکہ اس میں جرم کا ثبوت کسی ایک گواہ، طبی معائنے اور کیمیاوی تجزیہ کار کی رپورٹ سے بھی ہوجاتا تھا۔ چنانچہ زنا بالجبر کے بیشتر مجرم اسی دفعہ کے تحت ہمیشہ سزایاب ہوتے رہے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو مظلومہ چار گواہ نہیں لاسکی، اگر اُسے کبھی سزا دی گئی ہو تو حدود آرڈیننس کی کون سی دفعہ کے تحت دی گئی ہوگی؟ اگر یہ کہا جائے کہ اُسے قذف (یعنی زنا کی جھوٹی تہمت لگانے) پر سزا دی گئی تو قذف آرڈیننس کی دفعہ ۳ کے استثنا نمبر۳ میں صاف صاف یہ لکھا ہوا موجود ہے کہ جو شخص قانونی اتھارٹیز کے پاس زنا بالجبر کی شکایت لے کر جائے اُسے صرف اس بنا پر قذف میں بھی سزا نہیں دی جاسکتی کہ وہ چار گواہ پیش نہیں کرسکا/کرسکی۔

کوئی عدالت ہوش و حواس میں رہتے ہوئے ایسی عورت کو سزا دے ہی نہیں سکتی، دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اُسی عورت کو رضا مندی سے زنا کرنے کی سزا دی جائے، لیکن اگر کسی عدالت نے ایسا کیا ہو تو اس کی یہ وجہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خاتون چار گواہ نہیں لاسکی، بلکہ واحد ممکن وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عدالت شہادتوں کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ عورت کا جبر کا دعویٰ جھوٹا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد پر یہ الزام عائد کرے کہ اس نے زبردستی اس کے ساتھ زنا کیا ہے، اور بعد میں شہادتوں سے ثابت ہو کہ اس کا جبر کا دعویٰ جھوٹا ہے، اور وہ رضا مندی کے ساتھ اس عمل میں شریک ہوئی تو اسے سزایاب کرنا انصاف کے کسی تقاضے کے خلاف نہیں ہے، لیکن چونکہ عورت کو یقینی طور پر جھوٹا قرار دینے کے لئے کافی ثبوت عموماً موجود نہیں ہوتا، اس لئے ایسی مثالیں بھی اِکا دُکا ہیں، ورنہ ۹۹ فیصد مقدمات میں یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ عدالت کو اس بات پر اطمینان نہیں ہوتا کہ مرد کی طرف سے جبر ہوا ہے، لیکن چونکہ عورت کی رضامندی کا کافی ثبوت بھی موجود نہیں ہوتا، اس لئے ایسی صورت میں بھی عورت کو شک کا فائدہ دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حدود آرڈیننس کے تحت پچھلے ۲۷ سال میں جو مقدمات ہوئے ہیں، ان کا جائزہ لے کر اس بات کی تصدیق آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ میرے علاوہ جن جج صاحبان نے یہ مقدمات سنے

www.KitaboSunnat.com

ہیں اُن سب کا تاثر بھی میں نے ہمیشہ یہی پایا کہ اس قسم کے مقدمات میں جہاں عورت کا کردار مشکوک ہو، تب بھی عورتوں کو سزا نہیں ہوتی، صرف مرد کو سزا ہوتی ہے۔

چونکہ حدود آرڈیننس کے نفاذ کے وقت ہی سے یہ شور بکثرت مچتا رہا ہے کہ اس کے ذریعے بے گناہ عورتوں کو سزا ہو رہی ہے، اس لئے ایک امریکی سکالر چارلس کینیڈی یہ شور سن کر ان مقدمات کا سروے کرنے کے لئے پاکستان آیا، اس نے حدود آرڈیننس کے مقدمات کا جائزہ لے کر اعداد وشمار جمع کئے اور اپنی تحقیق کے نتائج ایک رپورٹ میں پیش کئے جو شائع ہوچکی ہے۔ اس رپورٹ کے نتائج بھی مذکور بالا حقائق کے عین مطابق ہیں۔ لکھتا ہے:

"Women fearing conviction under section 10(2) frequently bring charges of rape under 10(3) against their alleged partners. The FSC finding no circumstantial evidence to support the latter charge, convict the male accused under section 10(2) the women is exonerated of any wrong doing due to reasonable doubt, rule." (*Charles Kennedy: the status of women in Pakistan in Islamization of Laws. p74*)

''جن عورتوں کو دفعہ ۱۰(۲) کے تحت (زنا بالرضا کے جرم میں) سزا یاب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اپنے مبینہ شریکِ جرم کے خلاف دفعہ ۱۰(۳) کے تحت (زنا بالجبر کا) الزام لے کر آجاتی ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ کو چونکہ کوئی ایسی قرائنی شہادت نہیں ملتی جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کرسکے، اس لئے وہ مرد ملزم کو دفعہ ۱۰(۲) کے تحت (زنا بالرضا) کی سزا دے دیتا ہے..... اور عورت 'شک کے فائدے' والے قاعدے کی بنا پر اپنی ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے۔''

یہ ایک غیر جانبدار غیر مسلم اسکالر کا مشاہدہ ہے جسے حدود آرڈیننس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے، اور ان عورتوں سے متعلق ہے جنہوں نے بظاہر حالات رضامندی سے غلط کاری کا ارتکاب کیا، اور گھر والوں کے دباؤ میں آکر اپنے آشنا کے خلاف زنا بالجبر کا مقدمہ درج کرایا، اُن سے چار گواہوں کا نہیں، قرائنی شہادت (Circumstantial evidence) کا مطالبہ کیا گیا، اور وہ قرائنی شہادت بھی ایسی پیش نہ کرسکیں جس سے جبر کا عنصر ثابت ہوسکے۔ اس کے باوجود سزا صرف مرد کو ہوئی، اور شک کے فائدے کی وجہ سے اس صورت میں بھی ان کو کوئی سزا

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہوئی۔ لہٰذا واقعہ یہ ہے کہ حدود آرڈیننس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی رُو سے زنا بالجبر کا شکار ہونے والی عورت کو چار گواہ پیش نہ کرنے کی بنا پر اُلٹا سزایاب کیا جاسکے۔

البتہ یہ ممکن ہے اور شاید چند واقعات میں ایسا ہوا بھی ہو کہ مقدمے کے عدالت تک پہنچنے سے پہلے تفتیش کے مرحلے میں پولیس نے قانون کے خلاف کسی عورت کے ساتھ یہ زیادتی کی ہو کہ وہ زنا بالجبر کی شکایت لے کر آئی ہو، لیکن اُنہوں نے اسے زنا بالرضا میں گرفتار کرلیا ہو۔ لیکن اس زیادتی کا حدود آرڈیننس کی کسی خامی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس قسم کی زیادتیاں ہمارے ملک کی پولیس ہر قانون کی تنفیذ میں کرتی رہتی ہے، اس وجہ سے قانون کو نہیں بدلا جاسکتا، ہیروئن رکھنا قانوناً جرم ہے، مگر پولیس کتنے بے گناہوں کے سر ہیروئن ڈال کر اُنہیں تنگ کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہیروئن کی ممانعت کا قانون ہی ختم کردیا جائے۔

زنا بالجبر کی مظلوم عورتوں کے ساتھ اگر پولیس نے بعض صورتوں میں ایسی زیادتی کی بھی ہے تو فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے فیصلوں کے ذریعے اس کا راستہ بند کیا ہے، اور اگر بالفرض اب بھی ایسا کوئی خطرہ موجود ہو تو ایسا قانون بنایا جاسکتا ہے جس کی رُو سے یہ طے کردیا جائے کہ زنا بالجبر کی مستغیث کو مقدمے کا آخری فیصلہ ہونے تک حدود آرڈیننس کی کسی بھی دفعہ کے تحت گرفتار نہیں کیا جاسکتا اور جو شخص ایسی مظلومہ کو گرفتار کرے، اسے قرارِ واقعی سزا دینے کا قانون بھی بنایا جاسکتا ہے، لیکن اس کی بنا پر 'زنا بالجبر' کی حدِ شرعی کو ختم کردینے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ لہٰذا زیر نظر بل میں زنا بالجبر کی حد شرعی کو جس طرح بالکلیہ ختم کردیا گیا ہے، وہ قرآن وسنت کے واضح طور پر خلاف ہے، اور اس کا خواتین کے ساتھ ہونے والی زیادتی سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (روزنامہ 'نوائے وقت' 'جنگ' لاہور: ۲۱ نومبر ۲۰۰۶ء)

اسلامی تعلیمات ہی عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرسکتی ہیں!

بات تحفظِ نسواں کی آ گئی ہے تو آگے چلنے سے پہلے یہ وضاحت کردینی بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ خواتین کا تحفظ اگر ہوسکتا ہے تو صرف اور صرف اسلامی قوانین اور اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد ہی سے ہوسکتا ہے، ان سے گریز اور اعراض کرکے ان کے تحفظ کا دعویٰ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں است

ہی کے ضمن میں آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا تصورِ عفت وحیا اتنا بلند ہے کہ دوسرے مذاہب ونظریات اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ 'خواتین ایکٹ' میں یہی ظلم کیا گیا

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ حدود آرڈیننس کی تمام اسلامی دفعات کا خاتمہ کرکے جو عورت کے تحفظ کی ضامن تھیں، نئی دفعات تجویز کی گئی ہیں جن سے عورت کی مٹی پلید ہوئی ہے، اور ان کی آوارگی کا راستہ بھی آسان ہوجائے گا۔ اگر عورت کے تحفظ کا مطلب یہی ہے کہ آوارہ منش، شیطان صفت لوگوں اور ہوس کاروں کو عورت کی عفت وعصمت سے کھیلنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا کئے جائیں، اس راستے کی رکاوٹوں کو دور کردیا جائے اور ارتکابِ فواحش کی سہولتیں عام کردی جائیں، تو بلاشبہ اس 'خواتین ایکٹ' میں مذکورہ باتوں کا قانونی تحفظ فراہم کردیا گیا ہے۔ خدانخواستہ یہ ایکٹ چند سال نافذ رہا تو دیکھ لیجئے گا کہ مغربی معاشروں میں حیاباختگی کے جو مناظر عام ہیں، برسرِ عام بوس وکنار کی جو حیا سوز صورتیں وہاں دعوتِ نظارہ دیتی ہیں اور شراب وشاہد کی ایمان شکن فتنہ انگیزیاں لوگوں کے دلوں کو لبھاتی اور گرماتی ہیں۔ یہ اخلاق سوز، ایمان شکن اور رہزنِ تمکین وہوش مناظر یہاں بھی عام ہوں گے اور اہل ایمان ع

ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم

کے مصداق مہر بہ لب رہنے پر مجبور ہوں گے، کیونکہ 'خواتین ایکٹ' ان کی پشت پر ہوگا۔

'قانونِ الٰہی سے گریز وانحراف' سراسر تباہی کا راستہ ہے!

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ انسان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اس لئے صرف اللہ تعالیٰ ہی انسانی وجود کے اندر کارفرما مشینری کی پوری حقیقت کو جانتا ہے، اس کے علاوہ کسی کو اس کا پورا علم ہے، اور نہ ہوسکتا ہے۔ بنابریں یہ مشینری اسی وقت تک صحیح کام کرے گی جب اسے اس کے بنانے والے کی ہدایات کے مطابق استعمال کیا جائے گا اور جب بھی ان ہدایات سے انحراف کیا جائے گا، یہ مشینری انسانی معاشرے کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی۔ اس مشینری کے خالق نے یہ روایات آسمانی صحیفوں اور اپنے نمائندہ رسولوں کے ذریعے سے عام انسانوں تک پہنچادی ہیں۔ اسی لئے اس نے قرآنِ مجید کے ایک ہی مقام پر متعدد مرتبہ یہ فرمایا:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ... فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ...فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ (المائدۃ:۴۴،۴۵،۴۷)

''جو اللہ کی نازل کردہ باتوں کے ساتھ فیصلہ نہیں کرتے، وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایات سے انحراف کرنے والوں کے لئے اتنی سخت وعید کیوں؟

www.KitaboSunnat.com

اس لئے کہ انسانی مشینری کو غلط طریقے سے استعمال کرنے سے انسانوں کو فائدے کے بجائے سخت نقصان ہوگا، معاشرے میں امن وسکون قائم نہیں ہوسکے گا، انسان آرام وراحت کی نیند نہیں سوسکیں گے، انسانوں کے جان و مال اورعزت و آبرو کا تحفظ نہیں ہوسکے گا۔ بالخصوص جرائم کا قلع قمع اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی حدود کو قائم اور نافذ کئے بغیر ممکن ہی نہیں اور جرائم کی کثرت ہی انسانوں کے امن وسکون کو غارت کرتی ہے۔

دو معاشرے، دو مثالیں

آج اس گئے گزرے دور میں بھی اس بات کو سمجھنے کے لئے دو مثالیں موجود ہیں۔ ایک مثال اس معاشرے کی ہے جہاں بہت حد تک اللہ تعالیٰ کی بتلائی ہوئی اسلامی سزائیں (حدیں) قائم و نافذ ہیں اور دوسری مثال ان معاشروں کی ہیں جہاں حدودِ الٰہی نافذ نہیں ہیں۔ پہلی مثال سعودی معاشرے کی ہے جہاں اسلامی حدود کی برکات کا یہ نتیجہ ہے کہ وہاں جرائم برائے نام ہیں، لوگ نہایت امن وسکون کی زندگی گزار رہے ہیں، کسی کو جان و مال یا عزت و آبرو کی پامالی کا خطرہ نہیں ہے۔ دوسری قسم کے معاشرے مغربی یا ان کی نقالی میں اسلامی حدود سے گریز کرنے والے مسلم ممالک کے معاشرے ہیں جہاں امن وسکون عنقا ہیں؛ کسی امیر، غریب کی جان و مال اورعزت وآبرو محفوظ نہیں ہے:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

''بلاشبہ اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کا دل ہے یا وہ (دل ودماغ کی) حاضری کے ساتھ کان لگائے (اورتوجہ سے سنے)'' (ق:۳۷)

اسلامی سزائیں انسان کی پانچ اہم اشیا کی حفاظت کی ضامن ہیں!

علما نے لکھا ہے کہ انسان کی پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی حفاظت نہایت ضروری ہے اور وہ ہیں: ① دین وایمان یا عقیدہ ② عقل ③ جان ④ مال ⑤ عزت وآبرو

اسلامی حدیں بشرطیکہ اُنہیں خلوصِ دل سے نافذ کیا جائے، مذکورہ پانچوں چیزوں کی حفاظت کی ضامن ہیں، فقہا کی اصطلاح میں انہیں مقاصد شریعت کہا جاتا ہے:

① دین وایمان یا عقیدے کے تحفظ کے لئے ارتداد کی سزا یا حدقتل ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان

www.KitaboSunnat.com

ہے: «من بدّل دينه فاقتلوه» (صحیح بخاری:۳۰۱۷)
''جو دین اسلام سے پھر جائے، اسے قتل کردو۔''
یہ سزائے قتل، ایک مسلمان کے دین وایمان کے تحفظ کے لئے ہے۔

② شراب نوشی پر کوڑوں کی سزا یا حد ہے۔ اس کا مقصد عقل کا تحفظ ہے اور اسی شراب میں ہر نشہ آور مشروب یا چیز شامل ہے، کیونکہ شراب کی طرح ہر نشہ آور چیز انسانی عقل کو ماؤف اور مختل کردیتی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الأَلْبَابِ ﴾
''اے اصحابِ دانش! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔'' (البقرۃ:۱۷۹)
یعنی اگر کوئی کسی کو ناجائز قتل کردے تو بدلے میں اس قاتل کو بھی قتل کردیا جائے، اسی کا نام 'قصاص' ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو انسانی زندگیوں کے لئے ضمانت قرار دے رہا ہے اور یہ سو فیصد سچ ہے، اس لئے کہ اگر مجرم کو یہ پتہ ہو کہ میں نے کسی کو قتل کیا تو مجھے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے تو یہ خوف مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کے لئے بڑا اہم اور نہایت کارگر ہے۔ جس معاشرے میں یہ قانونِ قصاص صحیح معنوں میں نافذ ہو، وہ معاشرہ قتل وغارت گری کی وبائے عام سے محفوظ ہوجاتا ہے، یوں گویا قصاص جان کی حفاظت کا ضامن ہے۔

④ چوری اور ڈکیتی کی اسلامی سزائیں مال کی حفاظت کی ضامن ہیں۔

⑤ اسی طرح عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے (جو ایک ایماندار اور غیرت مند معاشرے میں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے) زنا اور تہمتِ زنا (قذف) کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی سزاؤں کے نفاذ کے بغیر دنیا میں کہیں بھی امن قائم نہیں ہوسکتا۔

اسلامی سزائیں ہی گناہ کا کفارہ ہیں، دوسری سزائیں نہیں

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ایک مؤمن کے نزدیک آخرت کی زندگی، دنیوی زندگی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ دنیا تو عارضی، فانی اور چند روزہ ہے جبکہ آخرت کی زندگی غیر فانی اور دائمی ہے۔ وہ دنیا کی چند روزہ عارضی زندگی کی خاطر آخرت کی دائمی زندگی کو خراب کرنا پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ماعزؓ بن مالک

www.KitaboSunnat.com

سے جب زنا جیسے گناہ کا صدور ہوگیا تو از خود بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر بہ اصرار سزا کے ذریعے سے پاک ہونے کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح غامدیہ عورت نے بھی آ کر خود ہی اعتراف زنا کیا۔ رسالت مآب ﷺ نے حمل کی وجہ سے اسے واپس فرمادیا تو بچہ جننے کے بعد پھر سزا کے لئے حاضر ہوئی، آپؐ نے اسے پھر واپس کردیا تاکہ ابھی وہ بچے کو دودھ پلائے، جب تیسری مرتبہ حاضر ہوئی تو بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا پکڑا کر لائی تاکہ اس دفعہ آپ اسے سزا دیئے بغیر واپس نہ کریں۔ چنانچہ آپ نے اسے سنگسار کروادیا۔

از خود جرم کا اقرار کرکے سزا کے لئے اتنی بے قراری کا اظہار یوں ہی بلا مقصد نہیں تھا، نہ کسی دماغی خلل اور فتور کا نتیجہ تھا، بلکہ اس کے پیچھے عقیدۂ آخرت کارفرما تھا، اُنہیں یہی فکر تھی کہ کہیں ہماری آخرت برباد نہ ہوجائے۔ دنیا کی یہ سزا (سنگساری) بھی اگرچہ بڑی سخت ہے لیکن آخرت کی سزا کے مقابلے میں کچھ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں، وہ ان گناہوں کا کفارہ ہیں جن کی وہ سزائیں ہیں۔ ان سزاؤں کے بعد انسان اس گناہ سے پاک ہوجاتا ہے۔ ان سزاؤں کو خوش دلی سے قبول اور گوارا کرلینا، ایسی سچی اور خالص توبہ ہے کہ اسے اگر ایک پوری بستی پر تقسیم کردیا جائے تو سب کی مغفرت کے لئے کافی ہوجائے۔ مذکورہ صحابی اور صحابیہ کا بجا طور پر یہی عقیدہ تھا کہ اگر دنیا کی یہ سزا ہم گوارا کرلیں گے تو آخرت کی سزا سے ہم محفوظ ہوجائیں گے۔ رضي الله عنهم وأرضاهم

علاوہ ازیں اللہ کی کسی حد کا زمین پر نافذ کرنا اہل زمین کے لئے چالیس دن کی بارش سے زیادہ خیر وبرکت کا باعث ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے

«إقامة حد بأرض خير لأهلها من مطر أربعين ليلة» (سنن نسائی: رقم ۴۹۰۹)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حدود ہی وہ بابرکت سزائیں ہیں جن سے انسان پاک بھی ہوجاتا ہے اور اُخروی زندگی میں اُس گناہ کے عذاب سے محفوظ بھی ہوجاتا ہے اور اس کا نفاذ دنیوی خیر وبرکت کا باعث بھی ہے، لیکن اگر ان حدود کو دوسری سزاؤں میں بدل دیا جائے تو اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ سزا پانے والا دنیوی عدالت میں تو سرخرو ہوجائے گا، لیکن آخرت کی اصل عدالت میں وہ بدستور مجرم ہی رہے گا۔ علاوہ ازیں دنیوی خیر وبرکت سے بھی اس علاقے

www.KitaboSunnat.com

کے لوگ محروم رہیں گے۔ اب زنا اور قذف کی اصلی سزائیں جو اللہ نے مقرر کی ہیں، بدلنے والے سوچ لیں کہ وہ ان میں تخفیف کر کے مجرموں اور اہل زمین پر احسان کر رہے ہیں یا ان پر ظلم کر رہے ہیں؟ ظاہر بات ہے کہ یہ سراسر اُن پر ظلم ہے کہ دنیوی سزا بھگتنے کے باوجود بارگاہِ الٰہی میں وہ مجرم کے مجرم اور روسیاہ ہی رہیں گے اور پورے کا پورا ملک دنیوی خیر وبرکت سے بھی محروم رہے گا۔

'خواتین ایکٹ' کے اصل اغراض ومقاصد

علاوہ ازیں سزاؤں میں تخفیف سے جرائم کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ہمارے خیال میں 'خواتین ایکٹ' سے اصل مقصود یہی ہے۔ ہمارے صدر صاحب اوّل روز سے جس 'روشن خیالی' کا اظہار کر رہے ہیں، زیر بحث قانون بھی ان کی اسی 'روشن خیالی' کا ایک مظہر ہے۔ اس ترمیمی قانون کے ذریعے سے مغرب اسلامی ملکوں میں جو کچھ کرنا چاہتا ہے، اس کی طرف کافی پیش رفت ہوچکی ہے اور وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟

مغربی تہذیب اور اس کے فلسفے کے مطابق وہ چاہتا ہے کہ مغربی ملکوں کی طرح

- اسلامی ممالک میں بھی اخلاقی جرائم عام ہوں۔
- زنا کاری کی سہولتیں عام ہوں۔
- خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائے جو ابھی تک بہت حد تک محفوظ ہے۔
- یہاں بھی بن بیاہی (کنواری) ماؤں کا طوفان آجائے۔

اسلامی ملکوں کے مغربی آقا، تہذیبی میدان میں اپنے مشرقی شاگردوں اور ایجنٹوں کے ذریعے سے مذکورہ چاروں مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور لمحہ فکریہ یہ ہے کہ زیر بحث قانون میں ایسی ماہرانہ چابک دستی سے کام لیا گیا ہے کہ اس ایک تیر سے دو نہیں، چار شکار ہوں گے یعنی چاروں مقاصد حاصل کرنے کا بندوبست کرلیا گیا ہے۔ وہ کس طرح؟

اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

① **اخلاقی جرائم کی کثرت اور مجرمین کی حوصلہ افزائی:** اخلاقی جرائم اس طرح عام ہوں گے کہ اللہ کا خوف تو ویسے ہی تقریباً مفقود ہے جو جرائم کی حوصلہ شکنی میں سب سے زیادہ مؤثر

www.KitaboSunnat.com

ہے۔معاشرے کی ذلت ورسوائی کا خوف کنڈوم اور اس طرح کی دیگر مانع حمل ادویات نے ختم کردیا ہے جو بدکاری کی راہ میں دوسری بڑی رکاوٹ ہے۔تیسرے نمبر پر سخت سزاؤں کا خوف ہے جو مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کو جرائم سے باز رکھتا ہے۔حدود آرڈیننس اگرچہ عملی طور پر غیر مؤثر تھا،لیکن اس میں درج سخت سزاؤں (کوڑے اور سنگساری) کا خوف ہی مجرمین کی حوصلہ شکنی کے لئے بڑا اہم اور نہایت مؤثر تھا۔زیر بحث قانون میں زنا کی وہ اصل سزائیں جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں اور چودہ سو سال سے بالاتفاق مسلّمہ چلی آرہی ہیں، علاوہ ازیں وہ نہایت عبرتناک ہیں؛ اُنہیں یک قلم ختم کرکے آسان سی سزائیں تجویز کی گئیں ہیں اور وہ ہیں: زیادہ سے زیادہ پانچ سال قید اور دس ہزار روپے تک کا جرمانہ۔اسی طرح قذف کی قرآنی سزا ۸۰ کوڑے ختم کرکے اس کے لئے بھی مذکورہ سزا (پانچ سال تک قید اور دس ہزار روپے تک جرمانہ) ہی تجویز کی گئی ہے۔علاوہ ازیں یہ سزا بھی زنا بالرضا کی ہے، زنا بالجبر کی نہیں۔حالانکہ اسلام میں سرے سے یہ تقسیم ہی نہیں ہے۔ستم بالائے ستم مبادیاتِ زنا، اقدامِ زنا، سرعام فحاشی، بوس وکنار وغیرہ جرائم کی سزائیں جو حدود آرڈیننس میں تھیں، ان کو یکسر ختم کرکے ان تمام بے حیائیوں کا دروازہ چوپٹ کھول دیا گیا ہے۔

شریعت میں زنا کی اصل سزا کیا ہے؟ وہ ہے شادی شدہ زانیوں کے لئے سنگساری اور کنورے زانیوں کے لئے سو کوڑے۔اس کے علاوہ اس میں رضامندی یا جبر کے حساب سے کوئی تفریق بھی نہیں۔البتہ عورت، جبر کی صورت میں سزا سے مستثنیٰ ہوگی، صرف مرد سزایاب ہوگا،لیکن زیر بحث قانون میں ایک تو زنا کو مغربی معاشرے کی طرح دو قسموں (بالرضا اور بالجبر) میں تقسیم کردیا گیا ہے، دوسرے نمبر پر اس کی اصل سزا جو نہایت عبرتناک تھی، اسے ختم کردیا گیا ہے۔تیسرے نمبر پر اس کا طریق کار بھی دنیا سے ایسا نرالا اور انوکھا تجویز کیا گیا ہے کہ کسی کو سزا ملنا ہی کارے دارد ہوگا۔چوتھے نمبر پر سزا ملی بھی تو برائے نام ہوگی جس سے کسی کو بھی عبرت نہیں مل سکتی بلکہ مجرمین کی حوصلہ افزائی ہی ہوگی۔

② **بدکاری کی بہتات:** مجرمین کی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں اخلاقی جرائم عام ہوں گے اور زنا کی اصل سزا ختم کرنے سے زنا کاری کی لعنت وبائے عام کی صورت اختیار کرلے گی جس کی نظیر

www.KitaboSunnat.com

یورپ وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

③ **خاندانی نظام کی تباہی:** جب مرد وعورت دونوں کو قانونی طور پر زنا کی سہولتیں حاصل ہوجائیں گی تو اسی طرح خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجائے گا جیسے مغرب میں یہ نظام تباہ ہوچکا ہے۔ مغرب امداد اوراصلاح کے نام سے پاکستان کے اسلامی معاشرے کو بھی مادر پدر آزاد معاشرے میں تبدیل کرنا چاہتا ہے جس سے خاندانی نظام بربادی کا شکار ہوجائے گا۔

④ **بن بیاہی (کنواری) ماؤں کا طوفان:** سولہ سال تک کی بچی زنا بالجبر کی سزا سے مستثنیٰ ہوگی تو اس کا مقصد بھی پاکیزہ معاشرے کے بجائے ایسے معاشرے کو معرضِ وجود میں لانا ہے جس میں بلوغت کے ساتھ ہی جنسی مخالطت کا نہ صرف آغاز ہوجائے بلکہ اس کی ترغیب وترویج کا بھی اہتمام ہوجیسے مغرب اور انگلستان وغیرہ میں ہے۔ وہاں سولہ سال سے کم عمر کی بیشتر لڑکیاں اپنی رضامندی سے جنسی بدفعلی کی مرتکب ہوتی ہیں جیسے کہ لاس اینجلس ٹائمز کی ۴ مارچ ۲۰۰۵ء کی رپورٹ میں اسی شہر کے چھٹی کلاس کے طلبا و طالبات کا ایک سروے شائع کیا گیا ہے، اس میں بتلایا گیا ہے کہ ۷۰ فیصد بچے جنسی بے راہ روی کے مرتکب پائے گئے ہیں، ایسے ہی آئے روز سکولوں کی طالبات کے حاملہ ہونے کی خبریں وہاں کا معمول ہیں۔ (بحوالہ ماہنامہ 'محدث' اگست ۲۰۰۶ء)

اس طرح وہاں بن بیاہی (کنواری) ماؤں کا ایک طوفان آیا ہوا ہے جس کا تناسب کسی جگہ ۶۰ فیصد اور کسی جگہ ۵۰ فیصد اور کسی جگہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

نئے قانون کے سربستہ راز کھلنے کی دیر ہے!

ابھی تو اکثر عوام کو پتہ نہیں ہے کہ یہ نیا قانون کیا ہے؟ اور زنا کاروں کو اس میں کیسی کیسی سہولتیں دی گئی ہیں اور سزا کے عمل کو کس طرح اتنا پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کہ کسی کو سزا ملنا ہی نہایت مشکل ہے، لیکن جب آہستہ آہستہ اس قانون کی پرتیں کھلیں گی، اس کے سربستہ اسرار واضح ہوں گے اور وکیلوں کی قانونی موشگافیاں مجرموں کی ہم نوائی اور ان کی حوصلہ افزائی کریں گی تو پھر دیکھنا کہ مغربی آقاؤں کی امیدیں کس طرح برآتی ہیں اور ہمارا معاشرہ بدکاری کی راہ پر کس طرح بگٹٹ دوڑتا ہے۔ لا قدّرھا اللہ ثم لا قدّرھا اللہ

www.KitaboSunnat.com

دینی مدارس و جامعات سے فارغ التحصیل علماء کے لئے خوشخبری

كلية القرآن الكريم والتربية الإسلامية

مرکز ادارۃ الاصلاح البدر (بنگاہ بلوچاں) پھول نگر ضلع قصور کے زیر انتظام

المعهد العالي في التجويد وعلوم القرآن الكريم کا اِجرا

مقاصد: دینی مدارس و جامعات سے فارغ التحصیل علماء کو صحتِ تلاوت کے ساتھ ساتھ تلاوت کے جملہ علوم وفنون سے واقفیت کروانا تاکہ وہ تلاوتِ قرآن کا صحیح حق ادا کرسکیں اور قرآنی علوم (مثلاً تجوید وقراءات اور رسم القرآن وضبط) پر اعتراضات کا شافی جواب دے سکیں اور دشمنانِ اسلام کے غلط نظریات کی تائید وحمایت سے بچ سکیں۔علاوہ ازیں دعوت وتبلیغ کے لئے خاص تربیت اور کمپیوٹر کا تعلیمی، تصنیفی اور دعوتی اُمور میں استعمال کا طریقہ اس پر مستزاد ہوگا۔

خصوصیات: کسی مدرسہ کا فارغ التحصیل پہلے صرف مستند عالم دین تھا جبکہ ایک سالہ کورس کے ساتھ ماہر قاری بھی ہوگا جس سے 'عالم غیر قاری' کا تصور ختم ہوکر عالم کی شان بلند ہوگی اور قرآن کے جملہ علوم وفنون سے واقفیت حاصل کرکے اجرِ عظیم کا موجب بن سکے گا۔ نیز تکمیل کورس کے بعد مرکز کی طرف سے مناسب جگہوں پر تقرری کا اہتمام بھی کیا جائے گا۔ان شاء اللہ

اہمیت: عالم دین بالخصوص اور باقی مسلمانوں کے لئے بالعموم ضروری ہے کہ 'تلاوتِ قرآن' کی ترتیل وتجوید کے اُصول وقواعد اور اس کے جملہ علوم وفنون سے واقفیت حاصل کریں۔ کیونکہ ایک مستند عالم دین کے لئے بڑا معیوب ہے کہ وہ کلام اللہ کی تلاوت میں غلطیاں کرے اور 'نص قرآنی' سے متعلقہ علوم سے ناواقف رہ کر مستشرقین وملحدین اور ان کے فکر کے حاملین نام نہاد 'اصلاحی فکر' کے پھیلائے ہوئے غلط نظریات کی حمایت کر بیٹھے۔ اللهم احفظنا من ذلك

نصابِ تعلیم: ① قواعد التجويد والابتداء ② دراسة القراءات وتطبيقها ③ حجية القراءات وأثرها في التفسير والأحكام ④ علوم الوقف والابتداء ⑤ علم رسم القرآن وضبطه ⑥ علم الفواصل (علم عدّ آي القرآن) ⑦ ان موضوعات میں سے کسی پر مقالہ

نوٹ: کورس میں شرکت کرنے والوں کو ادارہ کی طرف سے مفت قیام وطعام کی سہولتوں کے علاوہ معقول وظیفہ بھی دیا جائے گا۔ داخلہ کی درخواستیں ۲۰ شوال تا ۲۵ شوال ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲ نومبر تا ۷ نومبر ۲۰۰۷ء پہنچ جانی چاہئیں اور داخلہ انٹرویو کے بعد ہوگا۔

داعیان الی الخیر: (قاری) محمد ابراہیم میر محمدی رئیس کلیہ ومدیر التعلیم بالمرکز 0300-4306893

(قاری) صہیب احمد میر محمدی مدیر کلیہ وامین عام للمرکز 0333-4296679,4358421

تعلیم وتعلّم

مولانا محمد بشیر☆

عربی زبان سکھانے کا بہتر اُسلوب

مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ خصوصاً ہماری دینی درسگاہوں میں عربی زبان و ادب کی نہایت وقیع اور معیاری کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، نیز عربی گرامر کے دونوں شعبوں یعنی علم صرف اور علم نحو میں مستند اور مفصل کتابوں کی تدریس ہوتی ہے اور ان کی تعلیم و تدریس کئی سال جاری رہتی ہے، جو بڑی محنت اور جانفشانی سے کی جاتی ہے اور پھر ان تینوں علوم (عربی زبان، علم صرف اور علم نحو) کی تدریس کی ذمہ داری صرف کہنہ مشق اور محنتی اساتذہ کو ہی دی جاتی ہے۔ چنانچہ طلبہ و طالبات علم صرف کی گردانوں اور قواعد کو بڑی توجہ سے پڑھتے ہیں بلکہ حفظ کرتے اور فرفر سناتے ہیں اور نحو کے قواعد کو بھی نہایت محنت اور توجہ سے پڑھایا جاتا ہے، پھر بڑی جماعتوں میں عربی زبان کی بلاغت اور معانی کی مستند کتابوں کی تدریس بھی ہوتی ہے۔ تو اُن علوم پر اتنی توجہ اور اہتمام کے باوجود ہمارے طلبہ و طالبات ان میں پسماندہ کیوں رہتے ہیں؟

اسلامی درسگاہوں کی ان مفید خدمات اور روشن پہلوؤں کے باوجود ہم ان کے فضلا کو دیکھتے ہیں کہ وہ عربی زبان وادب دونوں میں پسماندہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان علوم کی پچیس تیس کتابیں پڑھنے کے باوجود عربی زبان کے عملی استعمال یعنی اس میں گفتگو اور تحریر کی قدرت نہیں رکھتے اور سخت ضرورت کے وقت معمولی عربی بول چال اور تحریر سے بے بس نظر آتے ہیں۔ نیز اہل زبان سے ملاقات کے وقت ان کی باتوں کو سمجھ نہیں پاتے اور عصر حاضر کے عربی اخبارات اور مجلّات سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ وہ صرف قدیم کتابوں کی عبارتوں کو سمجھتے ہیں، لیکن جدید عربی لٹریچر کا مطالعہ نہیں کر پاتے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے طویل تعلیمی عرصے میں ان کی کتابوں کا اُردو ترجمہ یاد کرتے ہیں، اور ان کے قواعد اور اُصولوں کو صرف نظری اور زبانی حد تک رَٹنے میں صرف کرتے ہیں اور عربی الفاظ اور تراکیب کے ان روزمرہ استعمالات اور محاوروں سے ناواقف رہتے ہیں، جو اہل زبان کے معاشرے میں لکھے بولے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ یہ فاضل حضرات صرف عربی زبان کے مفرد اسماء اور افعال کو تو کسی حد تک جانتے ہیں لیکن انکے عملی استعمال کی شکلوں اور تراکیب سے ناواقف رہتے ہیں۔

اس لئے مدارس کے طلبہ اور اساتذہ اوّلاً تو عربی بولنے یا لکھنے سے بچتے ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ اسے بولنے یا لکھنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ان کے جملوں میں لغت، صرف، نحو اور محاوروں کی

☆ پرنسپل معهد اللغة العربية، اسلام آباد

www.KitaboSunnat.com

غلطیاں اتنی کثرت سے ہوتی ہیں کہ ان کی اِصلاح کرنا ممکن نہیں ہوتا، کیونکہ اُنہوں نے اگرچہ زبان کے ان چاروں اَجزا کو سالہا سال تک پڑھا بلکہ رَٹا ہوتا ہے، لیکن اُنہیں ان کے عملی استعمال کی مشق اور تربیت سے محروم رکھا جاتا ہے، لہٰذا اسے لکھنے یا بولنے کی استعداد حاصل نہیں کر پاتے، حالانکہ اُن کے لئے عربی ایک نہایت آسان زبان ہے۔ اگر انہیں کچھ ہی عملی تربیت کرادی جاتی تو وہ اسے خوب لکھ بول سکتے ہیں۔

اب میں محترم علماے کرام، تعلیمی ماہرین، عربی زبان و ادب کے معلّمین و معلّمات نیز عزیز طلبہ و طالبات کے سامنے اس مسئلے کو آسانی سے پیش کرنے کے لئے عربی زبان کی تعلیم و تدریس کی چند مثالیں ذکر کرنا چاہتا ہوں.....

وباللہ التوفیق وھو المستعان

پہلا طریقۂ تدریس

تصور کیجئے کہ یہ ہمارے فاضل دوست کسی جامعہ میں عربی زبان کے مدرّس ہیں۔ اس وقت ان کے سامنے ۱۸، ۲۰ طلبہ بیٹھے ہیں۔ وہ اُنہیں وفاق المدارس العربیہ کے نصاب میں مقرر نصابی کتب قصص النّبیین کا پہلا حصہ پڑھا رہے ہیں، جو مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی تصنیف ہے۔ معلم اور طلبہ، دونوں کے ہاتھوں میں کتاب کا ایک ایک نسخہ موجود ہے، ان کی تدریس کا طریقہ یہ ہے کہ معلم خود سبق کی عبارت پڑھ رہا ہے اور طلبہ کو اس کے الفاظ اور جملوں کا لفظی اُردو ترجمہ بتا رہا ہے جسے وہ سنتے اور ذہن نشین کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ طلبہ اپنے معلم سے سبق کی عبارت کا لفظی اُردو ترجمہ پڑھتے اور اسے یاد کرتے ہیں۔ معلم کے پاس اپنی تیاری کے لئے اس کتاب کا چھپا ہوا اُردو ترجمہ موجود ہے جسے وہ حسبِ ضرورت دیکھ لیتے ہیں۔

نتیجہ: طلبہ سبق کی عبارت کا لفظی اُردو ترجمہ سمجھنے اور یاد کرنے لگتے ہیں۔

دوسرا طریقۂ تدریس

ہمارے ایک اور فاضل دوست ایک دوسرے مؤقر دارالعلوم میں عربی زبان و ادب کے مدرّس ہیں۔ یہ ابتدائی اور متوسط جماعتوں کو پڑھانے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ یہ بھی اس پیریڈ میں مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب قصص النّبیین کے پہلے حصے کی تدریس کر رہے ہیں۔ تاہم ان کی تدریس کا طریقہ پہلے مدرّس کے طریقۂ تدریس سے کچھ مختلف ہے۔ ان کی جماعت میں تختۂ سیاہ موجود ہے اور ہر طالب علم کے پاس نصابی کتاب کے علاوہ اپنی کاپی اور قلم موجود ہے۔ معلم سبق کے آغاز میں تختۂ سیاہ پر مناسب اور خوبصورت خط میں سبق کے منتخب الفاظ کی تشریح لکھ رہا ہے، جس میں عربی افعال کے معنی اور ان کا ماضی، مضارع اور مصدر، نیز اسم مفرد کا معنی اور جمع، اور اسم جمع کا معنی اور مفرد وغیرہ شامل ہیں۔ طلبہ الفاظ کی اس تشریح کو اپنی کاپیوں میں نقل کرکے اسے یاد کر رہے ہیں۔ بعدازاں معلم سبق کی تدریس اس طریقے پر کرتا ہے کہ ایک طالب علم سبق کی عبارت پڑھتا ہے اور معلم اس کا اُردو ترجمہ کرتا جاتا ہے۔ یوں پہلے سبق کی تکمیل ہوتی ہے اور طلبہ سبق کی عبارت کے اُردو معنی کو آسانی سے سمجھنے

www.KitaboSunnat.com

لگتے ہیں اور مختلف عربی الفاظ کی تشریح سے واقف ہوتے ہیں۔

نتیجہ: طلبہ سبق کی عبارت کے اُردو ترجمہ اور الفاظ کی تشریح کو سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں۔

تیسرا طریقۂ تدریس

ایک تیسرے معلم معهد اللغة العربية اسلام آباد میں اپنے طلبہ کو یہی کتاب قصص النبیین کا پہلا حصہ پڑھا رہے ہیں۔ بچوں کے سامنے ایک وائٹ بورڈ آویزاں ہے اور ہر بچے کے پاس نصابی کتاب کے علاوہ ایک کاپی اور قلم موجود ہے۔ نیز معلم اور ہر طالب ِعلم کے پاس اس کتاب کی درسی گائیڈ (ورک بک) موسومہ دلیل قصص النبیین، الجزء الاوّل موجود ہے۔ وہ اس گائیڈ کے مطابق سبق کے آغاز میں وائٹ بورڈ پر سبز مارکر سے منتخب الفاظ کے معنی اور تشریح لکھتے ہیں، جسے ہر طالب علم بلند آواز سے پڑھتا ہے، اور اس کے صحیح تلفظ کی مشق کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ اسے اپنی کاپی میں درج کرتا ہے۔ اس کے بعد معلم عربی میں کہتے ہیں: الآن بدأ الدرس، الآن نبدأ الدرس۔ اور سبق کی تدریس شروع ہوتی ہے، تو سبق کو معلم خود نہیں پڑھتا بلکہ اسے باری باری مختلف طلبہ پڑھتے ہیں اور معلم اس کا بامحاورہ اُردو ترجمہ بولتا ہے۔ پھر معلم گاہے گاہے طلبہ کو مناسب ہدایات دیتے ہوئے عربی بولتا ہے۔ مثلاً الأن اقرأ أنت يا خالد! الآن اقرأ أنت يا حمزة، اور کسی طالب ِعلم کی اچھی ادائیگی پر أحسنتَ! بارك الله فيك اور کسی سے غلطی سرزد ہونے پر لا يا عبدالرحمن اور سبق کے اختتام پر الآن انتهى الدرس، الآن انتهتِ الحصة وغیرہ نیز معلم طلبہ کو جملوں کا لفظی ترجمہ سکھانے کے بجائے ان کا بامحاورہ ترجمہ بتاتا ہے۔ اسطرح معلم پہلے پیریڈ میں پہلے سبق کی تدریس مکمل کرتا ہے۔

پھر دوسرے دن وہ طلبہ کو دلیل قصص النبیین، الجزء الاوّل کے مطابق اس سبق پر عربی میں بول چال کی مشق کراتا ہے، جو دو مشقوں پر مشتمل ہے۔ پہلی مشق میں سبق کے مضمون کے بارے میں عربی زبان میں چھوٹے چھوٹے سوال دیئے گئے ہیں۔ معلم ایک سوال بولتا ہے، تو طلبہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ اگر طلبہ کا جواب غلط یا ناقص ہو تو معلم اسے درست کراتا ہے۔ دوسری مشق میں سبق کے بارے میں لکھے ہوئے جملوں میں خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔

عربی بول چال کی ان دونوں مشقوں کو طلبہ دو بار زبانی اور تحریری دونوں طرح حل کرتے ہیں، پہلے کلاس میں اپنے معلم کی نگرانی میں زبانی حل کرتے ہیں اور پھر انہیں اپنی کاپیوں میں تحریری طور پر حل کرکے لاتے ہیں اور معلم اسے چیک کرتا اور حسب ضرورت تصحیح کرکے اس پر اپنے دستخط کرتا ہے۔

نتیجہ: طلبہ سبق کی عبارت کا بامحاورہ اُردو ترجمہ سیکھتے ہیں اور مختلف عربی الفاظ کی لغوی تشریح کے ساتھ ان کے تلفظ کی صحت سیکھتے ہوئے روزمرہ کی ابتدائی عربی زبان کو سمجھنے، لکھنے اور بولنے لگتے ہیں، کیونکہ اُنہیں عربی لکھنے اور بولنے کا اچھا ماحول میسر آیا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

چوتھا طریقۂ تدریس

اب معہد اللغة العربية میں عربی زبان و ادب کے ایک دوسرے معلم کی کلاس کو دیکھتے ہیں۔ یہ آج راقم الحروف کی کتاب اقرأ، الجزء الاوّل کا پہلا سبق پڑھا رہے ہیں۔ اس سبق میں چونکہ ہر چیز کی تصویر کے ساتھ اس کا عربی نام لکھا ہے، اس لئے وہ الفاظ کا اُردو ترجمہ نہیں کرتے بلکہ ہر چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا عربی نام پڑھنے کی مشق کراتے ہیں اور اگر طالبِ علم سے کسی اسم کی خواندگی میں تلفظ کی غلطی واقع ہو تو اسے درست کراتے ہیں۔ کلاس کے شرکاء بالکل نئے ہیں اور آج پہلے دن عربی زبان پڑھنے لگے ہیں، اس کے باوجود وہ اُنہیں براہِ راست عربی پڑھنے اور بولنے کی مشق کرا رہے ہیں۔ وہ تمام طلبہ کو ضروری ہدایات بھی عربی میں ہی دے رہے ہیں، اور جہاں دقت پیش آتی ہے، اشارے سے کام لیتے ہیں۔ اب کلاس پہلا سبق ختم کر رہی ہے، تو معلم نے اُنہیں کسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ما هٰذا؟ سے سوال کرنا سکھا دیا ہے اور اس کا جواب بھی هذا قلم وغیرہ سمجھا دیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اہم اضافی مشق یعنی کسی شخص کے بارے میں سوال کرتے ہوئے مَن هذا؟ اور اس کا جواب بھی سکھا دیا ہے، اور اس کے لئے جماعت کے شرکاء کی جانب اشارہ کرتے ہوئے من هذا؟ هذا أكرم ، من هذا؟ هذا جميل الرحمن وغیرہ کی مشق کرا دی ہے اور اس اُسلوب کو جاری رکھتے ہوئے سبق کی تینوں مشقیں بھی حل کرا دی ہیں۔

یوں ان نو وارد طلبہ نے آج ۲۰، ۲۲ چیزوں کے عربی نام سیکھ لئے ہیں اور ان کے بارے میں سوال و جواب کی مشق کر لی ہے، اور اس طرح پندرہ بیس اشخاص کے بارے میں من هذا؟ کی مشق بھی کر لی ہے اور مجموعی طور پر پہلے ہی دن هذا ..... ، هذا..... کی طرح کے تیس سے زیادہ عربی جملے فر فر بولنے لگے ہیں۔ اب معلم نے طلبہ کو ہدایت دی ہے کہ وہ کل ان مشقوں کو اپنی کاپیوں میں تحریر کر کے لائیں۔

نتیجہ: طلبہ سبق کے جملوں کو براہ راست سمجھنے کے علاوہ اُنہیں بار بار پڑھنے ، بولنے اور لکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور ان کے تلفظ کی تصحیح بھی کر چکے ہیں۔ کیونکہ اُنہیں خالص عربی ماحول میں بول چال کی مشق کرنے کا موقع میسر آیا ہے۔

ہمارے ہاں مروّجہ طریقۂ تدریس

اب آیئے دیکھیں کہ ہم اپنی درس گاہوں میں اپنے بچوں کو بنیادی عربی زبان کی تعلیم ان چار طریقوں میں کس طریقے پر دے رہے ہیں؟ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، ہماری درس گاہوں میں عرصۂ دراز سے عربی زبان و ادب کی تعلیم کا پہلا طریقۂ تدریس ہی رائج ہے اور ہمارے اساتذہ سبق کے لفظوں یا عبارت کو خود پڑھتے ہیں یا کبھی کبھی کسی طالب علم سے پڑھوا کر اس کا اپنی مقامی زبان اُردو وغیرہ میں ترجمہ کرتے ہیں، جسے طلبہ و طالبات سنتے اور یاد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہماری اکثر درس گاہوں میں تفہیم و تعلیم کا بنیادی ذریعہ تختۂ سیاہ یا وائٹ بورڈ موجود نہیں ہوتا، اگر موجود ہوتا ہے تو اسے بہت کم استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے بچوں کو عربی الفاظ کی تشریح

www.KitaboSunnat.com

لکھوانے کا اہتمام بہت ہی کم کیا جاتا ہے۔ یوں ہمارے مروّجہ نظامِ تعلیم میں عربی زبان وادب، قرآنِ کریم اور حدیث شریف نیز صرف ونحو اور فقہ کی تدریس کا یہی منہج جاری ہے کہ سالِ اوّل سے لے کر سالِ ہشتم (دورہ شهادة عالمية) تک اور مڈل سے لے کر ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات تک بلکہ پی ایچ ڈی تک عربی عبارتوں کا اُردو ترجمہ ہی سکھاتے ہیں، اور ان کا اُردو ترجمہ کر لینے اور اپنی زبان میں ان کے مفہوم کی تشریح کرنے کو کامیابی کی منزل قرار دیتے ہیں۔ اس کے سوا وہ اس پورے عرصے میں عربی زبان کے الفاظ اور محاوروں کو لکھنے یا بولنے اور ان کے متنوع استعمالات کی کوئی مشق نہیں کرتے، اور نہ ہی اُنہیں عربی زبان میں زبانی یا تحریری بول چال کی مشقیں کرائی جاتی ہیں مثلاً ملک کے عربی مدارس کے تمام وفاقوں کے نصابِ تعلیم کو دیکھ لیجئے اس میں ایسی درسی کتابیں بہت کم ملیں گی جن میں متعلقہ مضمون پر سوال و جواب، عربی بول چال اور تحریر وانشا کی مشقیں موجود ہوں، اور جہاں ایسی بہت ہی کم کتابوں میں ایسی مشقیں موجود ہوتی ہیں، ان کی تدریس کرنے والے اساتذہ اُنہیں نظر انداز کر دیتے ہیں اور وہ اِنہیں زبانی یا تحریری طور پر حل کرانے کا اہتمام نہیں کرتے۔ اِلاقلیل منہم

ہمارے نظامِ تعلیم میں عربی عملاً متروک ہے

اگر آپ اپنے ملک کے قرآن و حدیث اور عربی ادب کو پڑھنے والے نہایت ذہین اور محنتی طلبہ بلکہ نہایت وسیع اور طویل تدریسی تجربات کے مالک اساتذہ کرام کو دیکھتے ہیں کہ وہ بوقت ضرورت عربی زبان میں گفتگو اور تحریر میں بے بس ہوتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ عربی زبان اس قدر مشکل یا پیچیدہ ہے کہ اسے طویل عرصہ تک پڑھنے اور پڑھانے کے باوجود اس میں مناسب صلاحیت پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اس کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ انہیں ان کی طویل تعلیمی مدت کے دوران ایسی تربیت نہیں دی گئی جاتی بلکہ اُنہیں عربی زبان وادب کے زبانی اور تحریری استعمال سے مکمل محروم رکھا گیا۔

اس لئے یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہم اپنے تعلیمی نظام میں عربی زبان کو، غیر شعوری طور پر ہی سہی، عملی طور پر اور مسلسل ترک کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہمارے فضلا اس فن میں ترقی نہیں کر سکتے۔ ہماری درس گاہوں میں عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے دوران کئی صورتوں میں اس کے عملی استعمال کی راہ نکل سکتی ہے لیکن ہم ایسا نہیں کر سکے۔ چنانچہ عربی کو ترک کرنے اور نظر انداز کرنے کی کئی صورتیں بالکل واضح ہیں:

① ہماری نصابی کتابوں میں تمرین و تربیت کی مشقیں موجود نہیں ہیں۔

② ہمارے اساتذہ بول چال اور تحریر کی مشقیں نہیں کراتے۔

③ ہمارے اداروں میں تشریح وتعلیم کے لئے تختۂ سیاہ استعمال نہیں کیا جاتا۔

④ ہمارے اداروں کے داخلی ماحول میں عربی بول چال کا ماحول پیدا نہیں کیا جاتا۔

⑤ ہمارے معلّمین بھی اپنے اسباق کے دوران کلاس میں ایسا عربی ماحول پیدا نہیں کرتے، جس سے معلم اور طلبہ کے درمیان باہمی گفتگو میں عربی زبان کے روزمرہ محاورے استعمال

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہوں۔

اس طرح ہمارے طلبہ اور مدرّسین دونوں کو عربی الفاظ یا عبارتوں کا مقامی زبان اُردو یا پشتو وغیرہ میں ترجمہ تو یاد رہتا ہے، لیکن عربی الفاظ کی سرسری قراءت کے بعد اس کے عملی استعمال کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ یوں ہم اپنے تمام اسباق میں اور تمام تعلیمی مراحل میں عربی زبان کو عملاً اور مسلسل ترک کرتے رہتے ہیں۔

اس لئے ہمارے طلبہ و طالبات بلکہ اساتذہ بھی عربی ایسی آسان زبان کو بھی لکھنے اور بولنے کی معمولی صلاحیت سے قاصر رہتے ہیں۔ اس فرسودہ طریقۂ تدریس سے عربی زبان مسلسل 'متروک' رہتی ہے۔ اس لئے ہمارے سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور اسلامی درس گاہوں میں عربی زبان عملاً 'متروک' ہے۔ اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس چیز سے آپ زندگی بھر گریزاں رہیں بلکہ اسے آپ عمداً ترک کریں تو وہ آسان ہونے کے باوجود آپ کو نہیں آئے گی۔

معلّم کا کردار بنیادی حیثیت رکھتا ہے

میں نے بنیادی عربی زبان کی تعلیم و تدریس کے جن چار مختلف طریقوں کا ذکر کیا ہے، ان سب میں ایسی نصابی کتابوں کی مثالیں دی ہیں جو ہمارے اپنے ملک یا علاقے میں لکھی گئی ہیں اور ان میں ہمارے اداروں اور ہمارے طلبہ و طالبات کی ضروریات اور معیار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور وہ یہاں زیر تعلیم ہیں۔ لیکن اسکے باوجود ہر معلم کی مہارت، تجربے اور محنت کی بدولت اس کا طریقۂ تدریس دوسرے سے یکسر مختلف ہے اور اس کے مقاصد اور نتائج بھی مختلف ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ

- تدریس کا پہلا طریقہ بالکل سادہ اور سطحی ہے اور اس میں عربی عبارت کا صرف لفظی اُردو ترجمہ سکھایا جاتا ہے۔
- دوسرے طریقے میں اُردو ترجمہ کے ساتھ منتخب الفاظ کی تشریح سکھائی جارہی ہے۔
- جبکہ تیسرا طریقۂ تدریس کئی طرح کی محنت اور منصوبہ بندی سے تیار کیا گیا ہے اور اس سے پانچ فوائد کی تکمیل ہورہی ہے:

① بامحاورہ اُردو ترجمہ، ② الفاظ کی تشریح، ③ نطق کی تصحیح، ④ عبارت کا مکمل فہم اور ⑤ عربی لکھنے بولنے کی استعداد

- اسی طرح چوتھا طریقۂ تدریس بھی بڑی مہارت اور توجہ سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کسی زبان کی تدریس کا سب سے زیادہ مؤثر اور نہایت کامیاب طریقۂ تدریس ہے، اور تمام مقاصد اور فوائد کی تکمیل کرتا ہے۔ اس سے قارئین اُردو ترجمہ کے بجائے براہِ راست عربی زبان میں غور وفکر کرتے ہوئے اسے پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی مہارت حاصل کرتے ہیں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى﴾ ''اور اس حقیقت کو یاد رکھو کہ انسان کو اس کی محنت کے مطابق ہی نتیجہ ملتا ہے۔'' بہرحال یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور تدریس میں معیاری اور اچھی تدریسی کتاب کے ساتھ معلم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں لسانِ قرآن سیکھنے کی

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol.39 NO10
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے ——— زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700